الا قول أصح من الحديث
نضر الله امرأ سمع منا حديثاً فحفظه حتى يبلغه
ماهنامه
الحدیث
حضرو
27
رجب ۱۴۲۷ھ اگست 2006ء
مدیر
حافظ زبیر علی زئی
شیطانی وسوسے اور ان کا علاج
کلمہ طیبہ پڑھنے والی ایک ہرنی کا قصہ
حبیب اللہ ڈیروی صاحب اور ان کا طریقہ استدلال
بالوں کے احکام
موضوع اور من گھڑت روایتیں
مکتبۃ الحدیث
حضرو اٹک : پاکستان
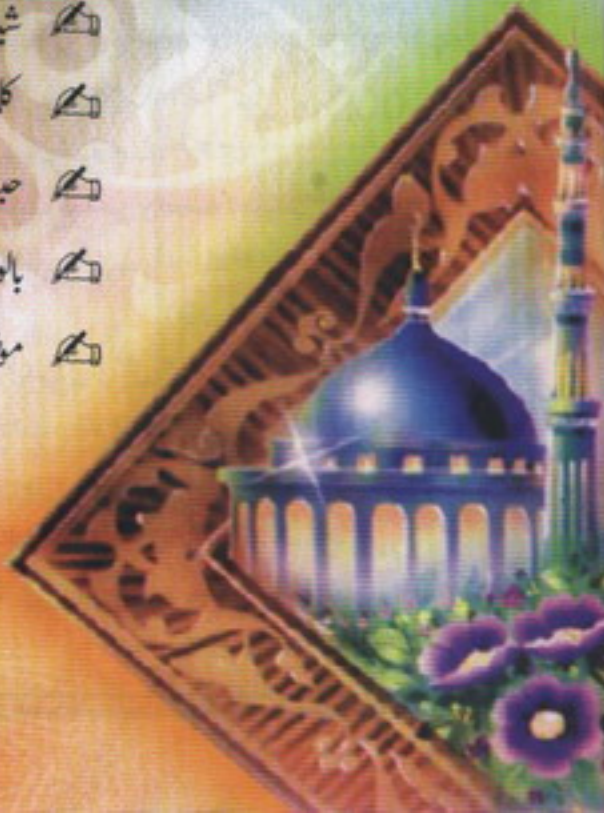
کلمۃ الحدیث

فضل اکبر کاشمیری

احساسِ زیاں جاتا رہا

اہل اسلام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اسلام ایک کامل دین ہے۔ ہر مسلمان شہادتین کے اقرار کے ساتھ حصراً دو چیزوں کا مکلّف بن جاتا ہے یعنی کتاب وسنت۔ قیامت تک کے لئے دنیا کی کوئی طاقت ان دو چیزوں میں تفریق پیدا نہیں کرسکتی۔ یہ کامیابی کی سب سے قوی اساس اور نجات کا مرکزی سبب ہے۔ نبی کریم ﷺ نے اپنے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے قلوب واذہان میں اس کی اہمیت اور محبت کوٹ کوٹ کر بھر دی تھی، چنانچہ انھوں نے اسی پر عمل کر کے رضی اللہ عنہم کا لقب حاصل کیا۔ اسی لئے کتاب وسنت کا وہی مفہوم معتبر ہے جو اجماع وسلف صالحین سے ثابت ہے، خیر القرون کے مسلمانوں نے بھی اسی کو اپنا کر عالمِ کفر پر غلبہ پایا اور باطل ان کے سامنے سرنگوں تھا۔

اس کے برعکس ایک حساس اور گھمبیر مسئلہ تقلید شخصی کا ہے جس کا آغاز قرونِ ثلاثہ کے بعد ہوا۔ یہ ایک ایسا ناسُور ہے جس سے ہر دور میں مسلمان تشتّت وافتراق کا شکار ہوئے ہیں۔ اس نے اسلام کے مصفّٰی آئینہ کو دھندلا دیا۔ تقلید راہِ حق میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے اور مقلد کو تارکِ سنت بناتی ہے۔ تقلید وحی کی ضد، توحید کے منافی اور چوتھی صدی کی بدعت ہے۔

(سیدنا) معاذ بن جبل (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا: رہا عالم کی غلطی کا مسئلہ تو (سنو) اگر وہ ہدایت پر بھی ہو تو اپنے دین میں اس کی تقلید نہ کرو۔ (کتاب الزہد للامام وکیع ج ۱ ص ۲۹۹، ۳۰۰ ح ۷۱ وسندہ حسن)

عبدالحئ لکھنوی صاحب احادیث گھڑنے کے اسباب بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

" السادس: قوم حملهم على الوضع التعصب المذهبي والتجمد التقليدي "

چھٹا سبب: لوگوں کو مذہبی تعصب اور تقلیدی جمود نے احادیث گھڑنے پر آمادہ کیا۔

(الآثار المرفوعۃ فی الاخبار الموضوعۃ ص ۱۷)

تقلید سے انسان جہالت کا ارتکاب کرتا ہے، زیلعی حنفی اپنے شیخ کی غلطی پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

فالمقلد ذهل ، والمقلد جهل پس مقلد غلطی کرتا ہے اور مقلد جہالت کا ارتکاب کرتا ہے۔ (نصب الرایۃ ۱/۲۱۹)

عینی حنفی (!) نے کہا: " **فالمقلد ذهل والمقلد جهل و آفة كل شيء من التقليد** "

پس مقلد غلطی کرتا ہے اور مقلد جہالت کا ارتکاب کرتا ہے اور ہر چیز کی مصیبت تقلید کی وجہ سے ہے۔

(البنایہ شرح الہدایہ ج ۱ ص ۳۱۷)

؎ وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم

مَا كَانَ عَلَى النَّبِيِّ مِنْ حَرَجٍ فِيمَا فَرَضَ اللّٰهُ لَهُ ؕ سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ؕ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَّقْدُوْرًا ۟ الَّذِيْنَ يُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ اللّٰهِ وَيَخْشَوْنَهٗ وَلَا يَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا ۝ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ۝

جو بات اللہ نے نبی (ﷺ) کے لئے مقرر کردی ہے اس میں نبی پر کوئی تنگی نہیں۔ یہی اللہ کی سنت ہے جو ان نبیوں میں بھی جاری رہی جو پہلے گزر چکے ہیں اور اللہ کا حکم ایک طے شدہ فیصلہ ہوتا ہے۔ جو اللہ کے پیغام پہنچایا کرتے تھے اور اسی سے ڈرتے تھے۔ وہ اللہ کے سوا اور کسی سے مطلق نہیں ڈرتے تھے اور حساب لینے کو اللہ ہی کافی ہے۔ محمد (ﷺ) تمھارے مردوں میں کسی کے باپ نہیں ہیں بلکہ وہ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔ (الاحزاب: ۳۸ تا ۴۰)

فقہ القرآن:

☆ رسول اللہ ﷺ پر کثرتِ ازدواج کی بنا پر جو لوگ طعن کرتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ﴿مَا كَانَ عَلَى النَّبِيِّ مِنْ حَرَجٍ فِيمَا فَرَضَ اللّٰهُ لَهُ﴾ کے ذریعے ایسے لوگوں کا رد کیا ہے۔

☆ اہل ایمان اللہ تعالیٰ کے علاوہ قطعاً کسی سے نہیں ڈرتے اور نہ دین کے معاملے میں کسی کی طعن و تشنیع کی پروا کرتے ہیں۔ سیدنا عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ "**بایعنا رسول اللّٰہ ﷺ علی السمع والطاعة..... وعلٰی أن نقول بالحق أینما کنا لا نخاف فی اللہ لومة لائم**" ہم نے رسول اللہ ﷺ کی اس بات پر بیعت کی کہ سمع و طاعت کریں گے ... اور اس بات پر کہ ہم جہاں کہیں بھی ہوں حق بات کہیں اللہ کے (دین کے) بارے میں ہم کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈریں۔ (بخاری: ۷۰۵۵، مسلم: ۱۷۰۹)

☆ "لوگو! تمھارے مردوں میں سے محمد ﷺ کسی کے باپ نہیں" نے ان لوگوں کے اعتراض کی دھجیاں بکھیر دی ہیں جو کہتے تھے کہ "محمد ﷺ نے اپنی بہو سے شادی کرلی" اللہ تعالیٰ نے اس بات کو واضح کردیا کہ نبی ﷺ تمھارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں اور نہ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ آپ کے (حقیقی) بیٹے ہیں لہٰذا ان لوگوں کا یہ اعتراض باطل ہے جو یہ کہتے ہیں کہ "محمد ﷺ نے اپنی بہو سے شادی کرلی" رہی بات منہ بولے بیٹے کی تو اس کے بارے میں سابقہ

آیات میں وضاحت گزر چکی ہے کہ اس کی ﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ﴾ (الحجرات:۱۰) سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں ہے۔

☆ یاد رہے کہ محمد ﷺ نہ صرف رسول ہیں بلکہ ''خاتم النبیین'' یعنی نبیوں کے سلسلہ کو ختم کرنے والے ہیں۔ آپ پر نبوت کا سلسلہ ختم ہوگیا، اب آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی پیدا نہیں ہوگا۔

عقیدۂ ختم نبوت کا انکار اسلام کا انکار ہے۔ اس عقیدے کا انکار کرنے والا اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔

نبی ﷺ نے فرمایا: ''بنی اسرائیل کی قیادت انبیاء کیا کرتے تھے جب کوئی نبی فوت ہو جاتا تو دوسرا نبی اس کا جانشین ہوتا مگر میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا.....'' (بخاری: ۳۴۵۵، مسلم: ۱۸۴۲)

نبی ﷺ نے اس سلسلہ میں ایک مثال بیان کرتے ہوئے فرمایا: ''میری اور مجھ سے پہلے گزرے ہوئے انبیاء کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص نے عمارت بنائی اور خوب حسین وجمیل بنائی مگر ایک کونے میں ایک اینٹ کی جگہ چھوٹی ہوئی تھی۔ لوگ اس عمارت کے گرد پھرتے اور اس کی خوبی پر اظہار حیرت کرتے تھے مگر کہتے تھے کہ اس جگہ اینٹ کیوں نہ رکھی گئی؟ تو وہ اینٹ میں ہوں اور میں خاتم النبیین ہوں۔ (بخاری: ۳۵۳۵، مسلم: ۲۲۸۶)

ایک طویل حدیث کا حصہ ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''میری امت میں تیس (۳۰) کذاب ہوں گے جن میں سے ہر ایک نبی ہونے کا دعویٰ کرے گا حالانکہ میں خاتم النبیین ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں۔''

(سنن ابی داود: ۴۲۵۲ وصحیح مسلم: ۲۸۸۹)

نبی ﷺ نے فرمایا: ((**أنا آخر الأنبياء وأنتم آخر الأمم**)) میں آخری نبی ہوں اور تم آخری اُمت ہو۔

(السنۃ لابن ابی عاصم: ۳۹۱ وسندہ حسن لذاتہ، دوسرا نسخہ: ۴۰، الشریعۃ للآجری: ۸۸۲، **فيه عمرو بن عبدالله الحضرمي وثقه ابن حبان والعجلي المعتدل والحاكم فحديثه لا ينزل عن درجة الحسن وأخطأ من قال: أنه مجهول أو مقبول !**)

☆ قاری عاصم بن ابی النجود اور حسن (بصری) نے **خَاتَمَ النبيين** کی قراءت کی ہے۔ جبکہ باقی سارے قاریوں نے یہاں **خَاتِمَ النبيين** کی قراءت کی ہے۔ یہ دونوں قراءتیں صحیح و متواتر ہیں لہٰذا ثابت ہوا کہ **خاتم النبيين** کا مطلب آخری نبی ہی ہے۔ واضح رہے کہ قرآن وحدیث کو بالکل اسی طرح سمجھا جائے گا جس طرح رسول اللہ ﷺ نے سمجھایا اور وہ ہم تک فہمِ سلف صالحین کے ذریعے احسن طریقے سے پہنچ چکا ہے۔ (والحمدللہ)

لیکن بعض اہلِ بدعت وعقل پرستوں کی کج فہمیاں اور لغات وجاہلیت کے شعراء کے اشعار (وغیرہ) کا سہارا لے کر دینِ اسلام میں اپنی من مانیاں اور تحریفات کرنے والوں کی شریعتِ اسلامیہ میں کوئی گنجائش نہیں ہے۔

☆ نبی ﷺ کی فضیلت کا بیان کہ آپ نے فرمایا: ((**فضلت على الأنبياء بست**)) مجھے چھ باتوں میں انبیاء پر فضیلت دی گئی ہے .... ((وَخُتِمَ بِيَ النَّبِيُّوْنَ)) اور مجھ پر انبیاء کا سلسلہ ختم کر دیا گیا۔ (مسلم: ۵۲۳)

شیطانی وسوسے اور ان کا علاج

أضواء المصابيح في تحقيق مشكوٰة المصابيح

باب الوسوسة / الفصل الأول

(٦٣) عن أبي هريرة قال قال رسول الله ﷺ: ((إن الله تجاوز عن أمتي ماوسوست به صدورها مالم تعمل به أو تتكلم)) متفق عليه .

(سیدنا) ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک اللہ نے میری اُمت کے اُن وسوسوں سے درگزر فرمایا ہے جو سینوں میں پیدا ہوتے ہیں، جب تک لوگ ان پر عمل نہ کریں یا زبانی اظہار نہ کریں۔

متفق علیہ (البخاری: ۲۵۲۸ ومسلم: ۱۲۷/ ۳۳۱)

فقہ الحدیث:

۱: طیبی شارح مشکوٰۃ کے کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ وسوسے کی دو قسمیں ہیں:

اول: جو بغیر اختیار کے خود بخود دل میں پیدا ہو جاتا ہے جس میں آدمی کا ذاتی ارادہ شامل نہیں ہوتا۔ یہ وسوسہ تمام شریعتوں میں قابلِ معافی ہے۔

دوم: اپنے اختیار اور ذاتی ارادے کے ساتھ دل میں بُرائی کا تصور پیدا کرنا۔ یہ وسوسہ شریعتِ محمدیہ میں اس وقت تک قابلِ معافی ہے جب تک اس وسوسے والا زبانی اظہار یا جسمانی عمل نہ کر دے۔

۲: اُمتِ محمدیہ کو سابقہ اُمتوں پر فضیلت حاصل ہے۔

(٦٤) وعنه قال: جاء ناس من أصحاب رسول الله ﷺ إلى النبي ﷺ فسألوه: إنا نجدفي أنفسنا ما يتعاظم أحدنا أن يتكلم به ، قال: أوَقد وجدتموه؟ قالوا: نعم، قال: ذاك صريح الإيمان. رواه مسلم.

اُنھی (سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے کچھ صحابہ آپ کے پاس تشریف لائے اور آپ سے پوچھا: ہم اپنے دلوں میں ایسی باتیں محسوس کرتے ہیں جنھیں ہم بیان کرنا بہت بڑا (گناہ یا غلط کام) سمجھتے ہیں۔!

آپ نے فرمایا: کیا تم نے ایسا محسوس کر لیا ہے؟ انھوں نے کہا: جی ہاں۔

آپ نے فرمایا: یہ صریح ایمان ہے۔

اسے مسلم (۱۳۲/ ۳۴۰) نے روایت کیا ہے۔

فقه الحدیث:

۱: بُرے وسوسوں سے نفرت کرنا خالص ایمان کی نشانی ہے۔

۲: ذاتی وخفیہ مسائل کے لئے علمائے حق کی طرف رجوع کرنا تاکہ وہ کتاب وسنت کا حکم بتادیں، بالکل صحیح طریقہ ہے۔

۳: صحابہ کرام ایمان کے اعلیٰ ترین درجات پر فائز تھے۔ رضی اللہ عنہم اجمعین

۴: بُرے وسوسوں سے بچنے کے لئے ہر وقت کتاب وسنت پر عمل اور اذکارِ صحیحہ وکلماتِ طیبہ میں مصروف رہنا چاہئے۔

(٦٥) وعنه قال قال رسول الله ﷺ : يأتي الشيطان أحدكم فيقول : من خلق كذا؟ من خلق كذا؟ حتىٰ يقول : من خلق ربّک ؟ فإذا بلغه فليستعذ بالله ولينته . متفق عليه.

اور اُنھی (سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تمھارے پاس شیطان آتا ہے تو کہتا ہے: اسے کس نے پیدا کیا؟ اسے کس نے پیدا کیا؟ حتیٰ کہ وہ کہتا ہے: تیرے رب کو کس نے پیدا کیا؟ جب بات یہاں تک پہنچ جائے تو استغفار کرنا چاہئے اور رُک جانا چاہئے۔ متفق علیہ (بخاری: ۳۲۷۶ ومسلم: ۱۳۴/۳۴۵)

فقه الحدیث:

۱: دلوں میں بُرے وسوسے ڈالنے والا شیطان ہے۔

۲: بُرے خیالات سے بچنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ آدمی اعوذ باللہ پڑھے، استغفار کرے اور دل میں اللہ تعالیٰ کا خوف طاری کرے۔

۳: بُرے خیالات سے بچنے کے لئے پوری کوشش کرنی چاہئے ورنہ عین ممکن ہے کہ یہ خیالات انسان کو کفر، شرک اور گناہ کی طرف پھیر دیں اور وہ ہلاک ہوجائے۔

(٦٦) وعنه قال قال رسول الله ﷺ : لا يزال الناس يتساء لون حتىٰ يقال : هٰذا خلق الله الخلق فمن خلق الله ؟ فمن وجد من ذلک شيئاً فليقل آمنت بالله ورسله ، متفق عليه.

اور انھی (سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لوگ ایک دوسرے سے سوال (پر سوال) کرتے رہیں گے حتیٰ کہ کہا جائے گا: اللہ نے یہ مخلوق پیدا کی ہے، پس اللہ کو کس نے پیدا کیا ہے؟ جو شخص یہ (شیطانی وسوسہ) محسوس کرے تو کہہ دے: میں اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لایا ہوں۔

متفق علیہ (بخاری: ؟ مسلم: ۱۳۴/۳۴۳)

فقه الحدیث:

۱: ہر سوال کا جواب دینا ضروری نہیں۔

۲: شیطانی سوالات اور غلط وسوسوں سے اپنے آپ کو ہر ممکن طریقے سے بچانا چاہئے۔

فضائلِ اعمال

(رات کے کسی حصے میں) نیند سے بیدار ہونے پر ذکر کی فضیلت:

(**۸۲**) سیدنا عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ، نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: جو شخص رات کے کسی حصے میں جاگے اور (یہ کلمات) کہے: ((**لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَاشَرِيْكَ لَهُ ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ ، وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسُبْحَانَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ**)) اللہ کے سوا کوئی معبود (برحق) نہیں، اس کا کوئی شریک نہیں اسی کے لئے ملک ہے اور اسی کے لئے حمد ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں اور اللہ پاک ہے اور اللہ سب سے بڑا ہے اور اللہ کے علاوہ کوئی معبود (برحق) نہیں اور اللہ کی مدد کے بغیر (کسی گناہ سے بچنے کی) طاقت ہے اور نہ (نیکی کرنے کی) قوت۔

پھر یہ دعا کرے ((**اللھم اغفرلي**)) اے میرے اللہ مجھے بخش دے۔

یا (جونسی) دعا (بھی) کرے تو اس کی دعا قبول ہوتی ہے۔ پھر اگر وضو کرے (اور نماز پڑھے تو) اس کی نماز قبول ہوتی ہے۔ [صحیح بخاری: ۱۱۵۴]

فوائد:

حدیث کے الفاظ سے بظاہر یہی مفہوم اخذ ہوتا ہے کہ اس دعا کا تعلق رات کی بیداری کے ساتھ خاص ہے۔ یعنی جب رات کے کسی حصے میں قیام اللیل، تہجد وغیرہ کے لئے آنکھ کھلے تو اپنی زبان سے مذکورہ دعا کے مبارک کلمات ادا کر کے اپنی دعا و نماز کو عنداللہ مقبول بنانا چاہئے۔ واللہ اعلم

ہر وقت ذکر (کرنے) کے فضائل

(**۸۳**) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جو شخص دن میں سو مرتبہ (یہ کلمات) کہے ((**لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَاشَرِيْكَ لَهُ ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ ، وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ**)) اللہ کے علاوہ کوئی معبود (برحق) نہیں، اس کا کوئی شریک نہیں اسی کے لئے ملک ہے اور اسی کے لئے حمد ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے'' تو ایسے آدمی کو دس غلام آزاد کرنے کا ثواب ملے گا اور اس کے لئے سو نیکیاں لکھی جائیں گی اور اس کی سو برائیاں مٹا دی جائیں گی۔ اس دن شام تک (یہ کلمات) اس کے لئے شیطان سے بچاؤ کا ذریعہ ہوں گے اور کوئی شخص اس سے زیادہ افضل عمل لے کر (قیامت کے دن) نہیں آئے گا اِلّا یہ کہ جس نے

اس سے (بھی) زیادہ عمل کیا ہوگا اور جس نے ((سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ)) دن میں سو مرتبہ کہا تو اس کے (صغیرہ) گناہ معاف کر دیئے جائیں گے، اگرچہ سمندر کے جھاگ کے برابر ہوں۔ [صحیح بخاری: ۳۲۹۳، صحیح مسلم: ۲۶۹۱]

(**۸۴**) سیدنا ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ، نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: جس شخص نے دس بار (یہ کلمات) کہے: ((لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ ، وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ)) تو وہ اس شخص کی طرح ہوگا جس نے اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے چار غلام آزاد کئے۔

[بخاری: ۶۴۰۴، مسلم: ۲۶۹۳]

فوائد:

بعض روایات میں سو مرتبہ اور بعض میں ایک دفعہ بھی مذکورہ کلمات کہنے کی فضیلت وارد ہوئی ہے، ایسے ہی اجر و ثواب بھی مختلف ہے۔ بہر حال جس قدر خلوص سے ذکر الٰہی کیا جائے گا اتنا ہی زیادہ ثواب کا حصول ہوگا کیونکہ دل (نیت) کا اعمال کے ساتھ اور اعمال کا دل کے ساتھ گہرا تعلق ہے۔

(**۸۵**) سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دو کلمے جو رحمان کو بہت پیارے، زبان پر بہت ہلکے، میزان میں بہت وزنی ہیں (وہ کلمے) ((سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ)) ہیں۔

[بخاری: ۶۴۰۶، مسلم: ۲۶۹۴]

فوائد:

یہ کلمات اللہ تعالیٰ کو بہت زیادہ محبوب ہیں اور انھی کلمات پر امیر المومنین فی الحدیث والفقہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''الجامع الصحیح'' کا اختتام فرمایا ہے۔ ادائیگی میں یہ کلمات زبان پر اس قدر ہلکے ہیں کہ ہر کوئی بآسانی ادا کر سکتا ہے۔ لہٰذا ان سے اپنی زبان کو تر رکھ کر اپنے قلوب و اذہان کو تسکین دینی چاہئے۔

مذکورہ حدیث سے منکرینِ قرآن و حدیث اور اہواء و عقل پرستوں کا بھی خوب رد ہوتا ہے جو کہتے ہیں کہ ''اعمال و اقوال کا وزن نہیں ہو سکتا کیونکہ جو چیز اپنا ذاتی وجود نہ رکھتی ہو بلکہ دوسرے کے ساتھ قائم ہو اور ساتھ ہی ساتھ ختم ہوتی جاتی ہو اسے کس طرح تولا جا سکتا ہے؟'' چونکہ اہلِ ایمان کے ہاں اہواء، آراء اور عقل کے بجائے قرآن و حدیث کسوٹی و معیار ہوتا ہے اس لئے وہ ان ڈھکوسلوں کو نظر انداز کر کے قرآن و حدیث پر ہی ایمان و یقین رکھتے ہیں۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيَامَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا﴾

ہم قیامت کے دن انصاف کے ترازو رکھیں گے تو کسی جان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔ [الانبیآء: ۴۷]

ایسے ہی مذکورہ حدیث کے علاوہ بہت سی ایسی احادیث ہیں جو اعمال و اقوال کے وزن پر دلالت کرتی ہیں مثلاً دیکھئے صحیح مسلم (۲۲۳، ۲۷۲۶) وغیرہ اور یہی مسلک سلف صالحین کا ہے۔ واللہ اعلم

(**۸۶**) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص صبح و شام سو مرتبہ (یہ کلمات) ((سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهِ)) کہتا ہے تو قیامت کے دن اس سے زیادہ افضل عمل لے کر کوئی حاضر نہ ہوگا سوائے اس شخص کے جس نے اس کے برابر یا اس سے زیادہ مرتبہ (یہ کلمات) کہے۔[مسلم:۲۶۹۳]

فوائد:

صبح و شام کے مسنون اذکار کی بہت زیادہ اہمیت ہے۔ ان اذکار کی پابندی کرنے والے نہ صرف اخروی زندگی میں اعلیٰ مقام حاصل کرتے ہیں۔ بلکہ بہت سی دنیاوی ابتلاء و مصائب سے بھی نجات حاصل کر لیتے ہیں۔ ان ہی اذکار میں سو مرتبہ صبح اور سو بار شام کو ((سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهِ)) پڑھنا بھی شامل ہے۔

(**۸۷**) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
((سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ)) کہنا میرے نزدیک ان تمام چیزوں سے زیادہ محبوب ہے جن پر سورج طلوع ہوتا ہے۔[مسلم:۲۶۹۵]

(**۸۸**) سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے تو آپ نے فرمایا: کیا تم میں سے کوئی شخص ہر روز ہزار نیکیاں کرنے سے عاجز ہے؟ آپ کے پاس بیٹھے ہوؤں میں سے کسی سائل نے پوچھا: ہم میں سے کوئی شخص کیسے ہزار نیکیاں کر سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا: جو شخص سو مرتبہ ((سبحان الله)) کہتا ہے اس کے لئے ہزار نیکیاں لکھی جاتی ہیں یا اُس کی ہزار خطائیں مٹا دی جاتی ہیں۔[مسلم:۲۶۹۸]

فوائد: ان ہر دو احادیث سے ذکر الٰہی کی اہمیت و فضیلت واضح ہو رہی ہے۔ بالخصوص ((سُبْحَانَ اللّٰهِ)) کی طرف نبی کریم ﷺ کی ترغیب کہ اس کے ذریعے آدمی نیکیوں میں اضافہ اور اپنی خطاؤں کو معاف کروا سکتا ہے۔ ((سُبْحَانَ اللّٰهِ)) اس قدر آسان ہے کہ اَن پڑھ اور عام آدمی بھی انتہائی آسانی کے ساتھ اسے ادا کر سکتا ہے۔ لیکن افسوس! اللہ تعالیٰ کے اتنے بڑے احسان اور عظیم فضل کے باوجود کس قدر سستی و غفلت غالب ہے کہ آج زبانوں سے جھوٹ، چغلی، گالی، غیبت اور بہتان جیسے گناوٴنے جرم تو ہو رہے ہیں مگر مسنون ذکر الٰہی کی طرف کوئی توجہ نہیں ہے۔ مسنون کی قید اس لئے لگائی ہے کہ ہمارے ہاں دو طرح کے لوگ رہتے ہیں۔ ایک وہ جو سرے سے عمل کرتے ہی نہیں، دوسرے وہ جو اعمال تو بجا لاتے ہیں لیکن ان میں اکثریت یہ زحمت گوارا نہیں کرتی کہ وہ دیکھئے آیا جو میں عمل کر رہا ہوں وہ قرآن و حدیث سے ثابت بھی ہے یا نہیں؟ جو طریقہ میں نے اپنا رکھا ہے وہ طریقۂ رسول بھی ہے یا نہیں؟ کتنی ہی مجلسیں اور محفلیں ذکر و اذکار کے نام پر منعقد کی جاتی ہیں لیکن سب میں بدعات اور غیر مسنون وظائف کی بھرمار ہے۔ یاد رہے کہ ہر وہ عمل ردی ہے جو قرآن اور احادیثِ صحیحہ کے مخالف ہو خواہ اُسے سرانجام دینے کے لئے کتنے ہی آلام و مصائب برداشت کئے ہوں۔!! (العیاذ باللہ)

توضیح الاحکام

کلمہ طیبہ پڑھنے والی ایک ہرنی کا قصہ

سوال: ''مارچ ۲۰۰۶ء کے ماہنامہ ''محدث'' میں امام حرم الشیخ راشد الخالد کا صحن کعبہ میں پیش کردہ وہ خطبۂ جمعہ جس سے تحریک ناموس رسالت نے جنم لیا، کا ترجمہ کیا ہے۔ اس میں امام موصوف کے بیان کردہ اس واقعے کی تحقیق طلب ہے۔ ''زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مدینے کی ایک گلی سے گزر رہے تھے۔ کسی دیہاتی نے ایک ہرنی کو جنگل سے پکڑ کر باندھ رکھا تھا۔ جب ہم وہاں سے گزرے تو دیکھا کہ ایک ہرنی وہاں بندھی ہوئی ہے۔ ہرنی نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا تو شکوہ کناں ہوئی۔ کہ یہ دیہاتی مجھے جنگل سے شکار کر کے لے آیا ہے۔ میرے تھنوں کا دودھ مجھ پر گراں ہو گیا ہے۔ مجھے آزاد کر دیں کہ میں اپنے بچوں کے پاس چلی جاؤں اور میرے دودھ سے مجھے آرام مل جائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر میں تجھے چھوڑ دوں تو کیا تو اکیلی چلی جائے گی؟ اس نے کہا: ہاں چلی جاؤں گی۔ اسی دوران (میں) وہ دیہاتی بھی آ گیا، جس نے اسے باندھ رکھا تھا۔ نبی ﷺ نے اس سے کہا: کیا اس ہرنی کو بیچو گے؟ اس نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! یہ آپ کی ہے۔ تو رسول اللہ ﷺ نے اس ہرنی کو آزاد کر دیا۔ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ اللہ کی قسم! میں نے صحرا میں اس کو آواز لگاتے ہوئے سنا۔ وہ کہہ رہی تھی:

لا إله الا الله محمد رسول الله. حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم سے اس کے اور طرق بھی ہیں۔

(ماہنامہ محدث اپریل ۲۰۰۶ ص ۲۸، ۲۹)'' [حکیم ابو عامر ایم۔ اے لاہور]

الجواب: سیدنا زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے منسوب یہ روایت دلائل النبوۃ للبیہقی (۳۵/۶) دلائل النبوۃ لابی نعیم الاصبہانی (ص ۱۳۳ ح: ۲۷۳) تلخیص المتشابہ فی الرسم للخطیب (۷۳۰/۲) میں ''**يعلٰى بن إبراهيم الغزال : ثنا الهيثم بن حماد عن أبي كثير عن زيد بن أرقم رضي الله عنه**'' کی سند سے مروی ہے۔ اسے سیوطی نے الخصائص الکبریٰ (۶۱/۲) میں بیہقی اور ابو نعیم سے نقل کیا ہے۔ اس قصے کے راوی یعلیٰ بن ابراہیم کے بارے میں حافظ ذہبی نے کہا: ''**لا أعرفه، له خبر باطل عن شيخ واهٍ**'' میں اسے نہیں جانتا، اور اس کی (بیان کردہ) خبر باطل ہے جو اس نے ایک کمزور استاد سے بیان کی ہے۔ (میزان الاعتدال ۴۵۶/۴)

حافظ ابن حجر العسقلانی نے کہا: ''**هذا موضوع**'' یہ (روایت) موضوع (من گھڑت) ہے۔

(لسان المیزان ۳۱۲/۶ وجدید ۵۱۲/۷)

ہیثم بن حماد اور ابو کثیر کے بارے میں حافظ ذہبی نے کہا کہ یہ دونوں معروف نہیں ہیں۔ (دیکھئے میزان الاعتدال ۳۲۱/۴)
خطیب نے کہا: ''**الهيثم بن حماد في عداد المجهولين، يروي عن أبي كثير شيخ غير مسمى**''
ہیثم بن حماد مجہولوں میں سے ہے، وہ ابو کثیر سے روایت بیان کرتا ہے جس کا نام معلوم نہیں۔ (تلخیص المتشابہ ۷۳۰/۲)
حافظ ابن حجر کا خیال ہے کہ ہیثم بن حماد سے مراد ہیثم بن جماز ہے۔ (لسان المیزان ۲۰۴/۶)
ہیثم بن جماز سخت ضعیف اور مجروح ہے۔ اس کے بارے میں ابو حاتم الرازی نے کہا: ''**ضعيف الحديث، منكر الحديث**'' (الجرح والتعدیل ۸۱/۹)
معلوم ہوا کہ سیوطی نے خصائص کبریٰ میں موضوع روایتیں بغیر کسی جرح وتنقید کے نقل کر رکھی ہیں لہٰذا اس کتاب کی روایتوں پر بغیر تحقیق کے اعتماد کرنا صحیح نہیں ہے۔
دوسری روایت: سیدنا ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ سے منسوب روایت دلائل النبوۃ للبیہقی (۳۴/۶) میں ''**علي: بن قادم: حدثنا أبو العلاء خالد بن طهمان عن عطية عن أبي سعيد**'' کی سند سے مروی ہے۔
اس کا بنیادی راوی عطیہ بن سعد العوفی جمہور محدثین کے نزدیک ضعیف ہے۔ (دیکھئے الحدیث: ۲۴ ص ۴۰)
عطیۃ العوفی مدلس تھا۔ (طبقات المدلسین: ۴/۱۲۲) یہ محمد بن السائب الکلبی کو ابو سعید کہہ کر اس سے تدلیس کرتا تھا۔
(کتاب المجروحین لابن حبان: ۱۷۶/۲)
محمد بن السائب الکلبی کذاب تھا، دیکھئے ''الحدیث'' (۲۴ ص ۵۲ تا ۵۴) لہٰذا یہ سند موضوع ہے۔
تیسری روایت: اسے طبرانی (الاوسط: ۵۵۴۳) اور ابو نعیم الاصبہانی (دلائل النبوۃ ص ۱۳۳ ح ۷۴) نے ''**محمد ابن عثمان بن أبي شيبة: حدثنا إبراهيم بن محمد بن ميمون: حدثنا عبدالكريم بن هلال الجعفي عن صالح المري عن ثابت البناني عن أنس بن مالك رضي الله عنه**'' کی سند سے روایت کیا ہے۔ اس میں ابراہیم بن محمد بن میمون کٹر شیعہ اور جمہور محدثین کے نزدیک ضعیف ہے۔ دیکھئے لسان المیزان (۱۰۷/۱)
عبدالکریم بن ہلال غیر معروف (مجہول) ہے۔ دیکھئے میزان الاعتدال (۶۴۷/۲) ولسان المیزان (۵۲/۴) ودیوان الضعفاء للذہبی (۲۵۹۷) اور المغنی فی الضعفاء (۳۷۸۶)
صالح المری ضعیف ہے۔ (تقریب التہذیب: ۲۸۴۵) ومجمع الزوائد (۲۹۵/۸)
لہٰذا یہ روایت بھی ضعیف، مردود اور باطل ہے۔
چوتھی روایت: اسے طبرانی (المعجم الکبیر ۲۳/۳۳۱، ۳۳۲ ح ۷۶۳) اور ابو نعیم الاصبہانی (البدایہ والنہایہ ۱۵۵/۶) نے ''**حبان بن أغلب بن تميم المسعودي عن أبيه عن هشام بن حسان عن الحسن عن ضبة بن محصن عن أم سلمة رضي الله عنها**'' کی سند سے بیان کیا ہے۔

اس سند میں حبان بن اغلب: ضعیف الحدیث ہے۔ (الجرح والتعدیل ۳/۲۷۱، لسان المیزان ۲/۱۶۵)

اَغلب بن تمیم کے بارے میں امام بخاری نے کہا: ''منکر الحدیث'' وہ منکر حدیثیں بیان کرتا تھا۔

(التاریخ الکبیر ۲/۷۰)

ہیثمی نے کہا: ''وفیه أغلب بن تمیم وهو ضعیف'' اور اس میں اغلب بن تمیم ہے وہ ضعیف ہے۔ (مجمع الزوائد ۸/۲۹۵)

لہٰذا یہ روایت بھی سخت ضعیف ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔

پانچویں روایت: ابن ابی خیثمہ نے التاریخ الکبیر میں ''شریک عن عمر بن عبدالله عن یعلٰی بن مرة عن أبیه عن جده'' کی سند سے بیان کی۔ (المعتبر فی تخریج احادیث المنہاج والمختصر للزرکشی ص ۱۱۹، ۱۲۰)

اس میں قاضی شریک مدلس ہیں۔ (طبقات المدلسین: ۲/۵۶)

عمر بن عبداللہ بن یعلٰی ضعیف ہے۔ (تقریب التہذیب: ۴۹۳۳ وتحفۃ الاقویاء فی تحقیق کتاب الضعفاء ص ۷۷)

اس کا باپ عبداللہ بن یعلٰی بن مرہ ضعیف ہے۔ (دیوان الضعفاء للذہبی: ۲۳۵۳، نیز دیکھئے لسان المیزان ۳/۳۷۹)

لہٰذا یہ روایت بھی مردود ہے۔

تنبیہ: یہ روایت مجھے ابن ابی خیثمہ کی کتاب ''التاریخ الکبیر'' میں نہیں ملی اور نہ حافظ ابن حجر کو یہ روایت کتابِ مذکور میں ملی ہے۔ دیکھئے حاشیہ المعتبر فی تخریج احادیث المنہاج والمختصر ص ۱۲۰

خلاصۃ التحقیق: ہرنی والا یہ قصہ ثابت نہیں ہے لہٰذا اسے بغیر جرح کے بیان کرنا جائز نہیں ہے۔

(۲۳ ربیع الثانی ۱۴۲۷ھ)

عرفات میں خضر علیہ السلام کا تشریف لانا؟

سوال: شیخ عبدالقادر جیلانی لکھتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے روایت کی:

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہر سال خشکی اور تری والے (اشخاص) مکہ میں آ کر جمع ہوتے ہیں۔ تری اور خشکی والوں سے مراد الیاس علیہ السلام اور خضر علیہ السلام ہیں۔ یہ دونوں ایک دوسرے کا سر مونڈتے ہیں۔'' (غنیۃ الطالبین ص ۴۰۶)

کیا یہ روایت صحیح ہے؟ (محمد آصف پٹیالوی، پٹیالہ ڈاکخانہ بولار، ضلع نارووال)

الجواب: الحمد لله رب العالمین والصلوٰة والسلام علٰی رسوله الأمین، أما بعد:

اس روایت کی سند درج ذیل ہے:

''أخبرنا هبة اللّٰه ابن المبارک، قال: انبأنا الحسن بن أحمد بن عبداللّٰه المقرئ، قال: أخبرنا الحسین بن عمران المؤذن، قال: حدثنا أبو القاسم الفامي، قال: حدثنا أبو علي الحسن بن علي، قال: حدثنا أحمد بن عمار: أنبأنا محمد بن مهدي، قال: حدثني ابن جریج

الحديث: 27

عن عطاء عن ابن عباس رضي الله عنهما " إلخ

(الغنیۃ لطالبی طریق الحق، عربی ج ۲ ص ۳۹، غنیۃ الطالبین عربی اردو ج ۲ ص ۴۴۶، ۴۴۷)

یہ روایت موضوع ہے۔ اس کا پہلا راوی ھبۃ اللہ بن المبارک السقطی ہے، اس کے بارے میں محدث محمد بن ناصر رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ کیا وہ ثقہ ہے؟ انھوں نے جواب دیا: "**لا واللّٰہ، حدّث بواسط عن شیوخ لم یرھم فظھر کذبہ عندھم**" نہیں! اللہ کی قسم (وہ ثقہ نہیں) اُس نے واسط میں ایسے شیوخ سے حدیثیں بیان کیں جنھیں اس نے نہیں دیکھا تھا تو اس کا جھوٹ وہاں کے لوگوں پر ظاہر ہوگیا۔ (المنتظم لابن الجوزی ۱۷/۱۴۴) اس کے بارے میں محدث السمعانی نے فرمایا: "**ولم یکن موثوقاً بہ فیما ینقلہ**" اور وہ اپنی (بیان کردہ) نقل میں ثقہ نہیں تھا۔

(الانساب ج ۳ ص ۲۶۴)

اسے شجاع الذہلی نے سخت ضعیف اور ابن النجار نے اسے "**متھافت... ضعیف**" یعنی ٹوٹا گرا ہوا... (اور) ضعیف قرار دیا۔ (المستفاد من ذیل تاریخ بغداد ۱۹/۲۵۰)

محمد بن ناصر اسے اس کے نسب "سقطی" کی طرح ساقط سمجھتے تھے اور فرماتے:

"**السقطي لا شيءٌ، ھو مثل نسبہ من سقط المتاع**" سقطی کچھ چیز نہیں ہے۔ وہ اپنے نسب کی طرح گمشدہ سامان ہے۔ (المستفاد ص ۲۵۰)

السقطی کے استاد الحسن بن احمد بن عبداللہ المقری، ابوالقاسم الفامی، ابو علی الحسن بن علی اور احمد بن عمار کا تعین مطلوب ہے۔

حسین بن عمران المؤذن اور محمد بن مہدی کے حالات نہیں ملے لہٰذا یہ سند مجہول راویوں کا مجموعہ ہے۔

حافظ ابن حجر کے خیال میں اس روایت کی سند میں محمد بن مہدی اور ابن جریج کے درمیان مہدی بن ہلال کا واسطہ ہے۔

(دیکھئے الاصابہ ۱/۴۳۸ ترجمۃ الخضر، اللآلی المصنوعہ ۱/۱۶۷)

مہدی بن ہلال کے بارے میں یحییٰ بن سعید القطان نے کہا: "**یکذب فی الحدیث**" وہ حدیث میں جھوٹ بولتا تھا۔

(الجرح والتعدیل ۸/۳۳۶ وسندہ صحیح)

یحییٰ بن معین نے کہا: "**مھدي بن ھلال کذاب**" مہدی بن ہلال کذاب (جھوٹا) ہے۔

(تاریخ ابن معین، روایۃ الدوری: ۳۴۹۱)

اس روایت کے ایک راوی احمد بن عمار کے بارے میں ابن حجر نے کہا:

"**قال ابن الجوزي: أحمد بن عمار متروک عندالدارقطني**" احمد بن عمار، دارقطنی کے نزدیک متروک ہے۔

(الاصابہ ۱/۴۳۸)

خلاصہ یہ کہ یہ سند موضوع ہے۔ اس کی دوسری موضوع و منکر سند کے لئے دیکھئے کتاب الموضوعات لابن الجوزی

(۱/۱۹۵، ۱۹۶) والکامل لابن عدی (۲/۴۰ ۷ دوسرا نسخہ ۳/۱۷۵) واللآلی المصنوعہ (۱/۱۶۷)

سوال: عبدالقادر جیلانی صاحب اپنی سند سے بیان کرتے ہیں کہ علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: عرفہ (عرفات) کے دن جبرائیل، میکائیل، اسرافیل اور خضر (علیہم السلام) عرفات میں جمع ہوتے ہیں۔ (غنیۃ الطالبین ص ۴۰۶)

کیا یہ روایت صحیح ہے؟ (محمد آصف پٹیالوی ۲۰۰۶-۵-۴)

الجواب: اس روایت کی سند درج ذیل ہے:

" وأخبر نا هبة الله بن المبارک قال: أنبانا الحسن بن أحمد الأزهري قال: أنبأنا أبو طالب ابن حمدان البكري قال: أنبأنا إسماعيل قال: حدثنا عباس الدوري قال: أنبأنا عبيد الله بن إسحاق العطار قال: أنبأنا محمد بن المبشر القيسي عن عبدالله بن الحسن عن أبيه عن جده عن علي رضي الله عنه قال: يجتمع..." (غنیۃ الطالبین عربی ۲/۴۰ ومترجم ص ۴۴۷)

اس سند کے پہلے راوی هبۃ اللہ بن المبارک کا ساقط وکذاب ہونا سابقہ سوال کے جواب میں ثابت کر دیا گیا ہے۔

الحسن بن احمد الازہری، اسماعیل اور ابو طالب بن حمدان البکری کا تعین مطلوب ہے۔ عبید (صح) بن اسحاق العطار جمہور کے نزدیک ضعیف ہے۔

امام بخاری نے فرمایا: "عنده مناكير" اس کے پاس منکر روایتیں ہیں۔ (کتاب الضعفاء بتحقیقی: ۲۲۳)

نیز فرمایا: "منكر الحديث" وہ منکر حدیثیں بیان کرتا تھا۔ (التاریخ الصغیر ۲/۳۰۵)

نسائی نے کہا: "متروک الحديث" (کتاب الضعفاء والمتروکین: ۴۰۲)

حافظ ابن حجر نے یہ روایت ذکر کر کے کہا: "وعبيدبن إسحاق متروک الحديث"

اور عبید بن اسحاق متروک الحدیث ہے۔ (الاصابہ ۱/۴۳۹) نیز دیکھئے اللآلی المصنوعہ (۱/۱۶۸)

محمد بن المبشر یا محمد بن میسر کا تعین مطلوب ہے۔

معلوم ہوا کہ یہ سند سخت مظلم (اندھیرے میں) اور موضوع ہے۔

تنبیہ: خضر علیہ السلام کا ابھی تک زندہ رہنا کسی حدیث یا اثرِ صحابی سے قطعاً ثابت نہیں ہے۔ بلکہ راجح اور حق یہی ہے کہ وہ فوت ہو چکے ہیں۔ وما علينا إلا البلاغ (۱۶ ربیع الثانی ۱۴۲۷ھ)

امام ابو حنیفہ فارسی نہیں تھے

سوال: علماء احناف یہ حدیث پیش کرتے ہیں کہ اہل فارس میں سے ایک شخص ہوگا تو وہ اس وقت دین اور علم ثریا کی بلندیوں پر بھی ہوگا تو وہ اس مقام پر پہنچ کر بھی دین اور علم کی معرفت حاصل کرے گا اور وہ اس سے ثابت کرتے ہیں کہ اس سے مراد بالاتفاق امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ ہیں۔ اس روایت کی وضاحت درکار ہے؟ (محمد عثمان پنڈ دادن خان قمر)

الجواب: اہلِ فارس والوں (رجال) یا والے (رجل) کی روایت تو بالکل صحیح ہے۔ دیکھئے صحیح بخاری (۴۸۹۷) وصحیح مسلم (۲۵۴۶)

لیکن امام ابوحنیفہ کا فارسی ہونا قطعاً ثابت نہیں ہے۔ جس روایت میں آیا ہے کہ امام ابوحنیفہ فارسی ہیں، اُس روایت کی سند موضوع (من گھڑت) ہے۔ اس میں احمد بن عبیداللہ (عبداللہ) بن شاذان اور اُس کا باپ دونوں نامعلوم ہیں۔ شاذان (نضر بن سلمہ) سچا نہیں تھا۔ (الجرح والتعدیل ۸/۴۸۰) وہ حدیثیں چوری (کر کے روایت) کرتا تھا۔ اسے احمد بن محمد بن عبدالکریم نے جھوٹا قرار دیا۔ (المجروحین لابن حبان ۳/۸۰) اس سند کا آخری راوی اسماعیل بن حماد ضعیف ہے۔ (دیکھئے الکامل لابن عدی ۱/۳۰۸) اس کی کوئی معتبر توثیق ثابت نہیں ہے۔

اس موضوع روایت کے برعکس عمر بن حماد بن ابی حنیفہ سے ثابت ہے کہ امام ابوحنیفہ کے دادا ''زوطی'' کابل والوں میں سے تھے۔ (دیکھئے تاریخ بغداد ۱۳/۳۲۴ وسندہ صحیح إلی عمر بن حماد، واخبار ابی حنیفہ واصحابہ للصیمری ص۱)

امام ابونعیم الفضل بن دُکین الکوفی رحمہ اللہ (متوفی ۲۱۸ھ) نے کہا: ''**أبو حنيفة النعمان بن ثابت بن زوطي، أصله من كابل**'' ابوحنیفہ نعمان بن ثابت بن زوطی آپ کی اصل کابل سے ہے۔

(تاریخ بغداد ۱۳/۳۲۴، ۳۲۵ وسندہ صحیح)

فارس چوتھی اقلیم میں ہے۔ (معجم البلدان ۴/۲۲۶) اور کابل تیسری اقلیم میں ہے۔ (معجم البلدان ۴/۴۲۶)

کابلی کو فارسی بنا دینا اُن لوگوں کا کام ہے جو دن رات سیاہ کو سفید بنانے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں۔

حدیث بخاری ومسلم سے مراد فارسی (ایرانی) محدثین کرام ہیں۔ رحمہم اللہ اجمعین (۲۷ ربیع الثانی ۱۴۲۷ھ)

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے بغض رکھنے والا شخص؟

سوال: بعض واعظین حضرات سے یہ واقعہ سنا ہے کہ ''ایک دفعہ نبی ﷺ کے پاس ایک جنازہ لایا گیا تو نبی ﷺ نے فرمایا کہ میں اس شخص کا جنازہ نہیں پڑھوں گا۔ پوچھا گیا کیوں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: یہ شخص (سیدنا) عثمان رضی اللہ عنہ سے بغض رکھتا تھا۔ اور محمد ﷺ اس کا جنازہ نہیں پڑھتا جو عثمان رضی اللہ عنہ سے بغض رکھتا ہو'' غالباً یہ ترمذی کی روایت ہے۔ براہِ مہربانی اس واقعہ کی تحقیق وتخریج سے آگاہ فرما دیں۔ (عبداللہ طاہر ۔ اسلام آباد)

الجواب: یہ بالکل صحیح ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے محبت کرنا جزوِ ایمان ہے۔ اور آپ سے بغض رکھنا حرام ہے۔
(دیکھئے ماہنامہ الحدیث: ۱۶ ص ۴۶ تا ۴۸)

آپ نے جس روایت کے بارے میں پوچھا ہے اسے ترمذی (۳۷۰۹) ابن عدی (الکامل ۶/۲۱۴۳) اور حمزہ بن یوسف السہمی (تاریخ جرجان ص۱۰۰ رقم: ۷۷) نے ''**عثمان بن زفر: حدثنا محمد بن زياد عن محمد بن عجلان عن أبي الزبير عن جابر بن عبدالله رضي الله عنه**'' کی سند سے بیان کیا ہے۔

ترمذی نے کہا: ''یہ حدیث غریب ہے۔ اسے ہم اسی سند سے جانتے ہیں اور یہ محمد بن زیاد، میمون بن مہران کا شاگرد حدیث میں سخت ضعیف ہے۔''

ابوحاتم رازی نے کہا: یہ حدیث منکر ہے۔ (علل الحدیث: ۱۰۸۷)

محمد بن زیاد الطحان کے بارے میں امام احمد نے فرمایا: ''كان أعور كذاباً خبيثاً يضع الأحاديث''
یہ کانا کذاب (اور) خبیث تھا، حدیثیں گھڑتا تھا۔ (الجرح والتعدیل ۲۵۸/۷ وسندہ صحیح)

عمرو بن علی الفلاس نے کہا: یہ کذاب متروک الحدیث تھا۔ (ایضاً ص ۲۵۸ وسندہ صحیح)

ابوزرعہ الرازی نے کہا: ''كان يكذب'' وہ جھوٹ بولتا تھا۔ (کتاب الضعفاء لابی زرعۃ الرازی ج ۲ ص ۴۴۷)

خلاصۃ التحقیق: یہ روایت موضوع (من گھڑت) ہے لہٰذا اسے بغیر جرح کے بیان کرنا حلال نہیں ہے۔

(۲۳ ربیع الثانی ۱۴۲۷ھ)

((مَنْ تَعَلَّقَ شَيْئًا وُكِّلَ إِلَيْهِ)) کی تحقیق

سوال: نبی ﷺ نے فرمایا: ((مَنْ تَعَلَّقَ شَيْئًا وُكِّلَ إِلَيْهِ)) (مسند احمد ۳۱۰/۴ مستدرک حاکم ۲۱۵/۴)

اس حدیث کی تحقیق مطلوب ہے۔ (عبداللہ طاہر۔ اسلام آباد)

الجواب: اس روایت ((مَنْ تَعَلَّقَ شَيْئًا وُكِّلَ إِلَيْهِ)) [جس نے کوئی چیز لٹکائی (مثلاً منکا) تو وہ اسی کے سپرد کیا جاتا ہے] کو حاکم (۲۱۶/۴ ح ۷۵۰۳) ابن ابی شیبہ (۳۷۱/۷ ح ۲۳۴۴۷) اور بیہقی (۳۵۱/۹) وغیرہم نے ''محمد بن عبدالرحمٰن ابن أبي ليلىٰ عن أخيه عيسىٰ بن عبدالرحمٰن بن أبي ليلىٰ عن عبدالله بن عكيم'' کی سند سے بیان کیا ہے۔

محمد بن ابی لیلیٰ جمہور محدثین کے نزدیک ضعیف راوی ہے۔ بوصیری نے کہا: ''ضعفه الجمهور'' اسے جمہور نے ضعیف کہا ہے۔ (مصباح الزجاجۃ فی زوائد ابن ماجۃ: ۸۵۴)

طبرانی نے ''(محمد) ابن أبي ليلىٰ عن عيسىٰ عن أبي معبد الجهني'' کی سند سے یہی روایت بیان کی۔ (المعجم الکبیر ۳۸۵/۲۲ ح ۹۶۰)

ابومعبد الجہنی عبداللہ بن عکیم ہیں اور محمد بن ابی لیلیٰ ضعیف ہے۔

اس کی تائیدی روایات (شواہد) درج ذیل ہیں:

۱: ''عباد بن ميسرة المنقري عن الحسن عن أبي هريرة رضي الله عنه'' (السنن المجتبیٰ للنسائی ۱۱۲/۷ ح ۴۰۸۴، والسنن الکبریٰ للنسائی: ۳۵۴۲، الکامل لابن عدی ۱۶۴۸/۴)

یہ روایت دو وجہ سے ضعیف ہے:

اول: حسن بصری نے اس روایت میں سیدنا ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے سماع کی تصریح نہیں کی۔

حسن بصری تدلیس کرتے تھے۔ دیکھئے تقریب التہذیب (۱۲۲۷) وطبقات المدلسین (۲/۴۰)

دوم: عباد بن میسرہ: لین الحدیث (ضعیف) عابد ہے۔ (دیکھئے تقریب التہذیب: ۳۱۴۹)

۲: ''**مبارک بن فضالة عن الحسن عن عمران بن حصين رضي الله عنه**'' إلخ

(صحیح ابن حبان، الاحسان: ۶۰۵۳ دوسرا نسخہ: ۶۰۸۵)

حسن بصری کی عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے سماع کی تصریح موجود نہیں ہے۔ ایک روایت میں تصریح آئی ہے (مسند احمد ۴/۴۴۵) لیکن اس سند میں مبارک بن فضالہ مدلس ہے اور اس کے سماع کی تصریح نہیں ہے لہٰذا یہ سند ضعیف ہے۔

۳: ''**مشرح بن هاعان عن عقبة بن عامر رضي الله عنه عن رسول الله ﷺ قال:** ((مَنْ تَعَلَّقَ تَمِيْمَةً فَلَا أَتَمَّ اللّٰهُ لَهُ ، وَمَنْ تَعَلَّقَ وَدْعَةً فَلَا وَدَّعَ اللّٰهُ لَهُ)) ''جو شخص کوئی تمیمہ (منکا) لٹکائے تو اللہ اسے اُس کے لیے پورا نہ کرے اور جو ودعہ (سفید دھاگا) لٹکائے تو اللہ اسے سکون میں نہ رکھے۔ (مسند احمد ۴/۱۵۴ ح ۱۷۴۰۴ وسندہ حسن، صحیح ابن حبان، الاحسان: ۶۰۵۴ دوسرا نسخہ: ۶۰۸۶، المستدرک ۴/۲۱۶ وصححہ ووافقہ الذہبی)

اس روایت کی سند حسن ہے۔ خالد بن عبید کو ابن حبان، حاکم اور ذہبی نے صحیح الحدیث قرار دیا ہے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ حدیثِ مسئول بلحاظِ سند صحیح نہیں ہے۔

ابومجلز لاحق بن حمید (تابعی) نے فرمایا: ''مَنْ تَعَلَّقَ عَلَاقَةً وُكِّلَ إِلَيْهَا'' جو آدمی کوئی چیز لٹکائے گا وہ اسی کے سپرد کیا جائے گا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۷/۳۷۴ ح ۲۳۴۵۶ وسندہ صحیح)

((إِنَّهُ لَا يُسْتَغَاثُ بِيْ وَإِنَّمَا يُسْتَغَاثُ بِاللّٰهِ)) کی تحقیق

سوال: ایک دفعہ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عبداللہ بن اُبی سے تنگ آ کر ایک دوسرے کو یہ کہا کہ آؤ اللہ کے رسول ﷺ سے فریاد رسی کریں۔ آپ ﷺ نے صحابہ کی یہ بات سُن کر فرمایا:

((إِنَّهُ لَا يُسْتَغَاثُ بِيْ وَإِنَّمَا يُسْتَغَاثُ بِاللّٰهِ)) (طبرانی ومسند احمد)

اس حدیث کی بھی تحقیق مطلوب ہے۔ (عبداللہ طاہر، اسلام آباد)

الجواب: یہ روایت ((إِنَّهُ لَا يُسْتَغَاثُ بِيْ وَإِنَّمَا يُسْتَغَاثُ بِاللّٰهِ)) [بے شک مجھ سے مدد نہیں مانگی جاتی بلکہ مدد تو صرف اللہ سے مانگی جاتی ہے] طبرانی نے درج ذیل سند ومتن سے بیان کی ہے:

''**حدثنا أحمد بن حماد بن زغبة المصري: حدثنا سعيد بن عفير : حدثنا ابن لهيعة عن الحارث ابن يزيد عن علي بن رباح عن عبادة قال قال أبوبكر : قوموا نستغيث برسول الله ﷺ من هٰذا**

المنافق فقال رسول الله ﷺ: ((أنا لایستغاث بي، إنما یستغاث بالله عزوجل))"

عبادہ (بن الصامت رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ ابوبکر (الصدیق رضی اللہ عنہ) نے کہا: اُٹھو اس منافق کے مقابلے میں رسول اللہ ﷺ سے مدد مانگیں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھ سے مدد نہیں مانگی جاتی، مدد صرف اللہ تعالیٰ سے مانگی جاتی ہے۔ (جامع المسانید والسنن لابن کثیر ۱۴۰/۷ ح ۴۹۰۴)

اس روایت کے بارے میں حافظ ہیثمی لکھتے ہیں: "**رواہ الطبراني ورجاله رجال الصحیح غیر ابن لهیعة وهو حسن الحدیث**" اسے طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کے راوی صحیح کے راوی ہیں سوائے ابن لہیعہ کے وہ حسن الحدیث ہیں۔ (مجمع الزوائد ۱۵۹/۱۰)

میری تحقیق میں یہ روایت تین وجہ سے ضعیف ہے:

اول: ابن لہیعہ مدلس ہیں۔ (دیکھئے طبقات المدلسین ۱۴۰/۵، الفتح المبین ص ۷۷) اور یہ روایت عن سے ہے۔ یہ بات عام طالب علموں کو بھی معلوم ہے کہ مدلس کی عن والی روایت ضعیف ہوتی ہے۔

دوم: ابن لہیعہ آخری عمر میں اختلاط کا شکار ہو گئے تھے۔ وہ صرف اس وقت حسن الحدیث ہیں جب سماع کی تصریح کریں اور ان کی بیان کردہ روایت اُن کے اختلاط سے پہلے کی ہو۔

درج ذیل راویوں نے ان کے اختلاط سے پہلے سُنا تھا:

(۱) عبداللہ بن المبارک (۲) عبداللہ بن وہب (۳) عبداللہ بن یزید المقرئ [تہذیب التہذیب ۳۳۰/۵]

(۴) عبداللہ بن مسلمہ القعنبی [میزان الاعتدال ۲/۲۸۲] (۵) یحییٰ بن اسحاق السیلحینی [تہذیب التہذیب ۴۲۰/۲]

(۶) ولید بن مَزْیَدْ [المعجم الصغیر للطبرانی ۱/۲۳۱] (۷) عبدالرحمٰن بن مہدی [لسان المیزان ۱/۱۰، ۱۱] (۸) اسحاق بن عیسیٰ [میزان الاعتدال ۲/۴۷۷] (۹) سفیان ثوری (۱۰) شعبہ (۱۱) اوزاعی (۱۲) عمرو بن الحارث المصری [ذیل الکواکب النیرات ص ۴۸۳] (۱۳) لیث بن سعد [فتح الباری ۳۴۵/۴ تحت ح ۲۱۲۷]

(۱۴) بشر بن بکر [الضعفاء للعقیلی ۲/۲۹۴]

ہمارے علم کے مطابق ان چودہ راویوں کے علاوہ کسی اور راوی کا ابن لہیعہ سے قبل از اختلاط سماع ثابت نہیں ہے جن میں سعید بن کثیر بن عفیر بھی ہیں لہٰذا یہ روایت ابن لہیعہ کے اختلاط کی وجہ سے بھی ضعیف ہے۔

سوم: علی بن رَباح اور سیدنا عبادہ رضی اللہ عنہ کے درمیان اس حدیث میں ایک راوی "رجــــل" [مرد] ہے۔ دیکھئے مسند الامام احمد (۳۱۷/۵ ح ۲۲۷۰۶) طبقات ابن سعد (۳۸۷/۱) اور جامع المسانید لابن کثیر (۱۴۰/۷)

یہ "رجل" مجہول ہے۔ نیز دیکھئے مجمع الزوائد (۴۰/۸ قال: رواہ احمد وفیہ راو لم یسم وابن لہیعۃ)

خلاصۃ التحقیق: یہ بات بالکل صحیح ہے کہ اللہ ہی سے مدد مانگنی چاہئے جیسا کہ قرآن مجید (الانفال: ۹، ۱۰) سے ثابت ہے

لیکن ((إِنَّـهُ لَا يُسْتَغَـاثُ بِي)) إلخ والی روایت بلحاظِ سند ضعیف ہے۔ تیسیر العزیز الحمید کی تخریج ''النہج السدید'' میں جاسم الدوسری نے بھی اس روایت کو ''ضعیف'' قرار دیا ہے (ص ۸۸ ح ۱۶۱) وما علینا إلا البلاغ
(۲۴ ربیع الثانی ۱۴۲۷ھ)

امام معمر اور ان کا بھتیجا ؟!

سوال: بعض علماء نے لکھا ہے کہ '' حافظ ابن حجر نے ذکر کیا ہے کہ امام معمر رحمہ اللہ کا بھتیجا رافضی تھا، امام معمر رحمہ اللہ اسے اپنی کتابیں پکڑا دیتے، اس نے ایک حدیث امام معمر کی کتاب میں داخل کر دی (التہذیب ص ۱۲ ج ۱) وہ روایت امام معمر نے امام عبدالرزاق سے بیان کی جسے انھوں نے بیان کیا۔ اس کی تفصیل التہذیب وغیرہ میں دیکھی جا سکتی ہے۔''
عرض ہے کہ کیا یہ قصہ بلحاظِ سند صحیح وثابت ہے؟
تحقیق کر کے جواب دیں۔ جزاکم اللہ خیراً (ابو ثاقب محمد صفدر حضروی)

الجواب: یہ قصہ حافظ ابن حجر العسقلانی (متوفی ۸۵۲ھ) نے بغیر کسی سند اور حوالے کے ابو حامد بن الشرقی سے نقل کیا ہے۔ (دیکھئے تہذیب التہذیب ۱۲/۱ ترجمۃ احمد بن الازہر)

یہی قصہ نور الدین الہیثمی (مجمع الزوائد ۱۳۳/۹) اور سیوطی (تدریب الراوی ۲۸۶/۱) نے بغیر کسی حوالے کے، ابو الحجاج المزی (تہذیب الکمال ۱۰۶/۱) اور ذہبی (سیر اعلام النبلاء ۵۷۵/۹، ۵۷۶، ۳۶۷/۱۲) نے بغیر سند متصل مکمل کے ابو حامد بن الشرقی سے نقل کیا ہے۔

یہی قصہ خطیب بغدادی نے محمد بن احمد بن یعقوب (؟) سے، اس نے محمد بن نعیم الضبی (الحاکم صاحب المستدرک وتاریخ نیسابور) سے، انھوں نے ابو احمد الحافظ سے، انھوں نے ابو حامد (بن) الشرقی سے روایت کیا ہے۔
(تاریخ بغداد ج ۴ ص ۴۲ ت ۱۶۴۷)

عین ممکن ہے کہ یہ قصہ تاریخ نیسابور للحاکم میں لکھا ہوا ہو۔ (واللہ اعلم)
مجھے محمد بن احمد بن یعقوب کی توثیق نہیں ملی ہے۔ واللہ اعلم

نچلی سند سے قطعِ نظر محدث ابو حامد بن الشرقی رحمہ اللہ ۲۴۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۳۲۵ھ میں فوت ہوئے۔
دیکھئے تاریخ الاسلام للذہبی (۱۶۵،۱۶۶/۲۴) امام معمر بن راشد رحمہ اللہ ۱۵۴ھ میں فوت ہوئے تھے۔
سوال یہ ہے کہ امام معمر کی وفات کے چھیاسی (۸۶) سال بعد پیدا ہونے والے ابو حامد بن الشرقی کو یہ قصہ کس نے سُنایا تھا؟
معلوم ہوا کہ یہ قصہ منقطع ہونے کی وجہ سے باطل اور مردود ہے۔
اس قصے پر تبصرہ کرتے ہوئے حافظ ذہبی لکھتے ہیں:

'' قلت: هٰذه حكاية منقطعة وما كان معمر شيخاً مغفلاً يروج هٰذا عليه، كان حافظاً بصيراً

بحديث الزهري"

میں کہتا ہوں: یہ منقطع (کٹی ہوئی) حکایت ہے۔ معمر غافل شیخ نہیں تھے کہ ان پر اس بات کی حقیقت خفیہ رہ جاتی۔ وہ تو حدیثِ زہری کے حافظ اور صاحبِ بصیرت تھے۔ (سیر اعلام النبلاء ۹/۵۷۶)

حافظ ذہبی کے اس ناقدانہ بیان سے اس قصے کا باطل اور مردود ہونا اور زیادہ واضح ہو گیا ہے۔ والحمدللہ

(۱۶ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۷ھ)

پہلا سمندری جہاد اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ

سوال: اللہ کے نبی ﷺ کا فرمان ہے:

((أول جيش من أمتي يغزون البحر قد أوجبوا)) (صحیح بخاری ح ۲۹۲۴)

کیا سب سے پہلے سمندر پر جہاد کرنے والے سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ہیں؟ (عبداللہ طاہر۔ اسلام آباد)

الجواب: اس پہلے سمندری جہاد میں سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما شامل تھے۔ دیکھئے صحیح البخاری کتاب الجہاد (باب ۸ ح ۲۷۹۹، ۲۸۰۰)

یہ جہاد سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ (کی خلافت) کے زمانے میں ہوا تھا۔ (دیکھئے صحیح البخاری، کتاب الاستئذان باب من زار قوماً فقال عندھم ح ۶۲۸۲، ۶۲۸۳) والحمدللہ (۲۴ ربیع الثانی ۱۴۲۷ھ)

غسل جنابت میں سر کا مسح

سوال: غسل کے وضو میں سر کے مسح کا کیا حکم ہے؟ (حکیم ابو عامر ایم۔اے لاہور)

الجواب: بہتر یہی ہے کہ غسل سے پہلے وضو میں سر کا مسح نہ کیا جائے۔

سنن النسائی میں ایک روایت ہے کہ "حتیٰ إذا بلغ رأسه لم يمسح" حتیٰ کہ جب آپ سر تک پہنچے تو سر کا مسح نہ کیا۔ (باب ترک مسح الرأس فی الوضوء من الجنابۃ ج ۱ ص ۲۰۵، ۲۰۶ ح ۴۲۲ وھو صحیح غریب)

غسل سے فارغ ہونے کے بعد پاؤں دھونے چاہئیں جیسا کہ دوسری احادیث سے ثابت ہے۔ غسل جنابت والی کسی روایت میں سر کے مسح کا ذکر نہیں آیا۔ (دیکھئے فتح الباری ۱/۳۶۳ تحت ح: ۲۵۹)

امام احمد بن حنبل بھی غسل جنابت میں سر کے مسح کے قائل نہیں ہیں۔ دیکھئے مسائل ابی داود (ص ۱۹ باب الجنب والحائض) اور مالکیہ کا بھی یہی مسلک ہے۔ (۲۳ ربیع الثانی ۱۴۲۷ھ)

ضروری اعلان

ماہنامہ "الحدیث" حضرو کے تمام قارئین کی خدمت میں عرض ہے کہ خط و کتابت، زرِ سالانہ اور تمام مالی معاملات کے لئے صرف اسی پتے پر رابطہ کریں۔ >>> **مکتبۃ الحدیث حضرو۔ ضلع اٹک**

حافظ زبیر علی زئی

حبیب اللہ ڈیروی صاحب اور ان کا طریقۂ استدلال

الحمد لله رب العالمين والصلوٰة والسلام علىٰ رسوله الأمين ،أما بعد:

اس مضمون میں حافظ حبیب اللہ ڈیروی حیاتی دیوبندی صاحب کی بعض مطبوعہ کتابوں سے بعض موضوع و مردود روایات باحوالہ پیشِ خدمت ہیں جن سے انھوں نے استدلال کیا ہے یا بطور حجت پیش کیا ہے۔اس کے بعد ڈیروی صاحب کے اکاذیب اور اخلاقی کردار کے دس دس نمونے درج کئے گئے ہیں تا کہ حبیب اللہ ڈیروی صاحب اور ان کا طریقۂ استدلال عام لوگوں کے سامنے واضح ہو جائے۔

1۔ ڈیروی صاحب لکھتے ہیں:

''اور حضرت امام شافعیؒ جب حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کی قبر کی زیارت کے لئے پہنچے تو وہاں نمازوں میں رفع الیدین چھوڑ دیا تھا کسی نے امام شافعیؒ سے اس کی وجہ پوچھی تو فرمایا:

استحياءً من صاحب هٰذا القبر اس قبر والے سے حیاء آتی ہے۔

حضرت شاہ رفیع الدین محدث دہلویؒ تکمیل الاذہان ص ۱۵۷ میں اس واقعہ کو ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں **مُشعِرٌ لعدم التاكيد** کہ یہ واقعہ اس بات کا مشعر ہے کہ رفع الیدین عندالرکوع وغیرہ امام شافعی کے ہاں مؤکد نہ تھا۔''

(نورالصباح فی ترک رفع الیدین بعد الافتتاح، طبع دوم ۱۴۰۶ھ ص ۲۹، ۳۰)

اس پر تبصرہ کرتے ہوئے راقم الحروف نے لکھا تھا:

''یہ واقعہ جعلی اور سفید جھوٹ ہے۔شاہ رفیع الدین کا کسی واقعہ کو بغیر سند کے نقل کر دینا اس واقعہ کی صحت کی دلیل نہیں ہے۔شاہ رفیع الدین اور امام شافعی کے درمیان کئی سو سال کا فاصلہ ہے جس میں مسافروں کی گردنیں بھی ٹوٹ جاتی ہیں۔ڈیروی صاحب کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس واقعہ کی مکمل اور مفصل سند پیش کریں تا کہ راویوں کا صدق و کذب معلوم ہو جائے۔اسناد دین میں سے ہیں اور بغیر سند کے کسی کی بات کی ذرہ برابر حیثیت نہیں ہے۔''

(نورالعینین فی مسئلۃ رفع الیدین، طبع اول ۱۴۱۳ھ ص ۲۱)

ابھی تک ڈیروی صاحب یا ان کے کسی ساتھی نے اس موضوع و مردود قصے کی کوئی سند پیش نہیں کی ہے۔

(۱۱ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۷ھ)

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس من گھڑت قصے کی ان لوگوں کے پاس کوئی سند موجود نہیں ہے۔

الحدیث: 27

2۔ ڈیروی صاحب لکھتے ہیں:

''حضرت امام ابوحنیفہؒ ترک رفع الیدین پر عمل کرتے تھے اور اس کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت قرار دیتے تھے اور رفع الیدین کرنے والے کو منع فرماتے تھے۔ چنانچہ حافظ ابن حجرؒ لسان المیزان ج ۲ ص ۳۲۲ میں لکھتے ہیں:

قتیبہؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ابومقاتل سے کہتے ہوئے سنا کہ میں نے امام ابوحنیفہؒ کے پہلو میں نماز پڑھی اور میں رفع یدین کرتا رہا جب امام ابوحنیفہ نے سلام پھیرا تو کہا اے ابومقاتل شاید کہ تُو بھی پنکھوں والوں سے ہے۔'' (نور الصباح ص ۳۱)

ابومقاتل حفص بن سلم السمر قندی جمہور محدثین کے نزدیک مجروح ہے۔ ابن عدی، ابن حبان اور جوزجانی وغیرہم نے اس پر جرح کی۔ (دیکھئے الکامل ۲/۸۰۱، المجروحین ۱/۲۵۶، احوال الرجال: ۳۷۴)

ابونعیم الاصبہانی نے اسے کتاب الضعفاء میں ذکر کیا۔ (۵۲م)

حاکم نیشاپوری نے کہا:

''حدث عن عبيد الله بن عمر وأيوب السختياني ومسعر وغيره بأحاديث موضوعة..''

اس (ابومقاتل) نے عبیداللہ بن عمر، ایوب السختیانی اور مسعر وغیرہم سے موضوع احادیث بیان کی ہیں۔ (المدخل الی الصحیح ص ۱۳۰، ۱۳۱ رقم: ۴۲)

حافظ ذہبی نے کہا: ''واہٍ'' وہ (سخت) کمزور (راوی) ہے۔ (دیوان الضعفاء: ۱۰۵۰)

جمہور کی اس جرح کے مقابلے میں محدّث خلیلی کی توثیق مردود ہے۔

صالح بن عبداللہ (الترمذی) فرماتے ہیں کہ ہم ابومقاتل السمرقندی کے پاس تھے تو وہ وصیتِ لقمان، قتلِ سعید بن جبیر اور اس جیسی لمبی حدیثیں عون بن ابی شداد سے بیان کرنے لگا۔ ابومقاتل کے بھتیجے نے اُس سے کہا: اے چچا! آپ یہ نہ کہیں کہ ہمیں عون نے حدیث بیان کی کیونکہ آپ نے یہ چیزیں نہیں سنیں۔ اس نے کہا: اے بیٹے! یہ اچھا کلام ہے۔ (کتاب العلل للترمذی مع السنن ص ۸۹۲ وسندہ صحیح)

معلوم ہوا کہ بزعمِ خود اچھے کلام کے لئے ابومقاتل صاحب سندیں گھڑنے سے بھی باز نہیں آتا تھا۔ ایسے کذاب کی روایت ڈیروی صاحب بطورِ استدلال پیش کر رہے ہیں۔

3۔ ڈیروی صاحب بحوالہ مصنف ابن ابی شیبہ (ج ۱ ص ۱۶۰) لکھتے ہیں:

''عن جابر عن الأسود وعلقمة أنهما كان يرفعان أيديهما إذا افتتحا ثم لا يعودان''

حضرت اسودؒ اور حضرت علقمہؒ افتتاح صلوٰۃ کے وقت رفع الیدین کرتے تھے اور اس کے بعد رفع الیدین

کے لئے نہ لوٹتے تھے۔'' (نورالصباح ص ۴۷)
اس کا راوی جابر الجعفی جمہور محدثین کے نزدیک مجروح ہے۔ حافظ ابن حجر نے کہا:
''ضعیف رافضي'' وہ ضعیف رافضی ہے۔ (تقریب التہذیب: ۸۷۸)
امام ابوحنیفہ نے فرمایا:
''ما رأیت أحداً أکذب من جابر الجعفي ولا أفضل من عطاء بن أبي رباح''
میں نے جابر جعفی سے زیادہ جھوٹا کوئی نہیں دیکھا اور عطاء بن ابی رباح سے زیادہ افضل کوئی نہیں دیکھا۔ (العلل للترمذی ص ۸۹۱ وسندہ حسن)
بذات خود حبیب اللہ ڈیروی صاحب لکھتے ہیں:
''جابر بن یزید جعفی بہت جھوٹا اور شیعہ خبیث ہے۔ مگر انصاری صاحب نے اس بہت بڑے جھوٹے سے بھی رفع یدین کی روایت الرسائل ص ۳۶۲، ۳۶۴ وغیرہ میں درج کردی ہے کیونکہ مسلمانوں کو دھوکا دینا مقصود ہے۔''
(مقدمہ نورالصباح بترقیمی ص ۱۹، یہ عبارت مقدمۃ الکتاب سے پہلے ہے)
معلوم ہوا کہ بقلم خود جھوٹے کی روایت پیش کرکے ڈیروی صاحب نے عام مسلمانوں کو دھوکا دیا ہے۔
4۔ ڈیروی صاحب اپنے ممدوح انور شاہ کشمیری دیوبندی (العرف الشذی ص ۴۸۷) سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:
''حضرت امام احمد بن حنبلؒ سے روایت کی گئی ہے وہ فرماتے تھے کہ جس مسئلہ پر امام ابوحنیفہؒ اور امام ابویوسفؒ اور امام محمدؒ متفق ہو جائیں تو اس کے خلاف کوئی بات نہ سنی جائے کیونکہ امام ابوحنیفہؒ قیاس کے زیادہ ماہر ہیں...'' (نورالصباح ص ۳۲)
کاشمیری صاحب اور ڈیروی صاحب کی پیش کردہ یہ روایت محض بے سند، بے اصل اور من گھڑت ہے۔
اس کے مقابلے میں امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں:
''حدیث أبي حنیفة ضعیف ورأیه ضعیف'' ابوحنیفہ کی حدیث ضعیف ہے اور اس کی رائے (بھی) ضعیف ہے۔
(کتاب الضعفاء للعقیلی ۴/۲۸۵ وسندہ صحیح)
امام احمد اپنی مشہور کتاب المسند میں امام ابوحنیفہ کا نام لینا بھی پسند نہیں کرتے تھے۔
دیکھئے مسند احمد (۵/۳۵۷ ح ۲۳۴۱۵)
امام احمد سے امام ابوحنیفہ کی توثیق وتعریف قطعاً ثابت نہیں ہے بلکہ جرح ہی جرح ثابت ہے جس کی تفصیل میری کتاب ''الأسانید الصحیحة في أخبار الإمام أبي حنیفة'' میں درج ہے۔
قاضی ابویوسف کے بارے میں امام احمد فرماتے ہیں:

’’ وأنا لا أحدّث عنه‘‘ اور میں اس سے حدیث بیان نہیں کرتا۔

(تاریخ بغداد ۱۴/ ۲۵۹ وسندہ صحیح، نیز دیکھئے ماہنامہ ’’الحدیث‘‘ شمارہ: ۱۹ ص: ۵۱)

محمد بن الحسن الشیبانی کے بارے میں امام احمد فرماتے ہیں:

’’ لاأروي عنه شيئاً ‘‘ میں اس سے کوئی چیز (بھی) روایت نہیں کرتا۔

(کتاب العلل ومعرفۃ الرجال للامام احمد ۲/ ۲۵۸ ت ۱۸۶۲، دوسرا نسخہ: ۵۳۲۹)

امام احمد سے کسی نے پوچھا کہ ایک علاقے میں دو قسم کے لوگ ہیں۔ ایک اصحاب الحدیث جو روایتیں تو بیان کرتے ہیں مگر صحیح ضعیف کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔ دوسرے اصحاب الرائے ہیں جن کی معرفتِ حدیث (بہت) تھوڑی ہے۔ کس سے مسئلہ پوچھنا چاہئے؟

امام احمد نے جواب دیا:

’’ يسأل أصحاب الحديث ولا يسأل أصحاب الرأي، ضعيف الحديث خير من رأي أبي حنيفة‘‘

اصحاب الحدیث سے مسئلہ پوچھنا چاہئے اور اصحاب الرائے سے نہیں پوچھنا چاہئے۔ ابوحنیفہ کی رائے سے ضعیف الحدیث (راوی) بہتر ہے۔

(تاریخ بغداد ۱۳/ ۴۴۹ وسندہ صحیح، المحلّیٰ لابن حزم ۱/ ۶۸، السنۃ لعبداللہ بن احمد: ۲۲۹)

ڈیروی صاحب اور تمام آلِ دیوبند سے مؤدبانہ درخواست ہے کہ وہ کاشمیری صاحب کی بیان کردہ اس روایت کی صحیح و متصل سند پیش کریں۔

5۔ ڈیروی صاحب لکھتے ہیں:

’’امام بخاریؒ کے استاد حافظ ابوبکر بن ابی شیبہؒ اپنے مصنف ج ۱ ص ۱۵۹ میں لکھتے ہیں:

عن أشعث عن الشعبي أنه كان يرفع يديه في أول التكبيرة ثم لا يرفعهما

حضرت امام شعبیؒ پہلی تکبیر میں رفع الیدین کرتے پھر اس کے بعد نہ کرتے تھے۔‘‘

(نور الصباح ص ۴۵)

اس اثر کا راوی اشعث بن سوار جمہور محدثین کے نزدیک ضعیف ہے لہٰذا یہ روایت مردود ہے۔

ڈیروی صاحب ایک روایت کے بارے میں بقلمِ خود لکھتے ہیں:

’’پھر اس کی سند میں اشعث بن سوار الکندی الکوفی ہے جو عندالجمہور ضعیف ہے۔

[تہذیب التہذیب ص ۳۵۲ ج ۱ تا ص ۳۵۴]‘‘

(توضیح الکلام پر ایک نظر ص ۲۷۴، ۲۷۵)

6۔ ڈیروی صاحب لکھتے ہیں:

الحدیث:27

''ابن جریج ایک راوی ہے جس نے نوے عورتوں سے متعہ و زنا کیا تھا۔[تذکرۃ الحفاظ للذہبی وغیرہ)''   (نور الصباح ص ۱۸ مقدمہ بترقیمی)

ابن جریج سے باسند صحیح نوے عورتوں (یا صرف ایک عورت سے بھی) متعہ کرنے کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔

تذکرۃ الحفاظ (۱/۱۷۰، ۱۷۱ ت ۱۶۴) کے سارے حوالے بے سند و مردود ہیں۔ زنا کا لفظ ڈیروی صاحب نے خود گھڑ لیا ہے جب کہ اس کے برخلاف تذکرۃ الحفاظ کی بے سند و مردود روایت میں ''تزوّج'' کا لفظ ہے۔ (ص ۱۷۰)

ڈیروی صاحب نے بقلمِ خود ''متعہ و زنا'' کرنے والے ابن جریج کو ''ثقہ'' لکھا ہے۔

(نور الصباح ص ۲۲۲)

انھوں نے اسی کتاب میں ابن جریج کی روایت سے استدلال کیا ہے۔ (دیکھئے نور الصباح ص ۲۲)

7۔ ڈیروی صاحب لکھتے ہیں:

''چنانچہ امام بخاریؒ کے استاد حافظ ابوبکر بن ابی شیبہؒ مصنف ج ۱ ص ۱۶۰ میں لکھتے ہیں:

عن سفيان بن مسلم الجهني قال كان ابن أبي ليلىٰ يرفع يديه أول شئٍ إذا كبر

حضرت عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ صرف ابتدا میں رفع یدین کرتے تھے جب تکبیر کرتے تھے۔''

(نور الصباح ص ۴۳)

عرض ہے کہ سفیان بن مسلم الجہنی بالکل نامعلوم و مجہول راوی ہے، اس کی توثیق کہیں نہیں ملی۔ عین ممکن ہے کہ یہ کتابت یا طباعت کی غلطی ہو اور صحیح لفظ ''**سفيان عن مسلم الجهني**'' ہو۔ واللہ اعلم

مسلم بن سالم ابوفروۃ الجہنی صدوق راوی ہے لیکن سفیان (ثوری) مشہور مدلس ہیں لہٰذا اس صورت میں بھی سفیان کی تدلیس کی وجہ سے یہ سند ضعیف و مردود ہے۔

8۔ مصنف ابن ابی شیبہ (۱/۱۶۰ ہمارا نسخہ ۱/۲۳۶ ح ۲۴۴۷) کی ایک روایت ''**عن الحجاج عن طلحة عن خيثمة**'' نقل کرنے سے پہلے ڈیروی صاحب جلی خط سے لکھتے ہیں:

''حضرت خیثمہؒ التابعی بھی رفع الیدین نہ کرتے تھے''   (نور الصباح ص ۴۸)

عرض ہے کہ اس سند میں حجاج غیر متعین ہونے کی وجہ سے مجہول ہے۔ اگر اس سے مراد ابوبکر (بن عیاش) کا استاد حجاج بن ارطاۃ لیا جائے تو اس کے بارے میں ڈیروی صاحب خود لکھتے ہیں کہ ''کیونکہ حجاج بن ارطاۃ ضعیف اور مدلّس اور کثیر الخطاء اور متروک الحدیث ہے'' (نور الصباح ص ۲۲۴)

اس بقلمِ خود ''ضعیف'' اور ''متروک الحدیث'' کی روایت کو ڈیروی صاحب نے بحوالہ مسند احمد ج ۴ ص ۳ بطورِ دلیل نمبر ۱۹ پیش کر کے استدلال کیا ہے۔ (نور الصباح ص ۱۶۷، ۱۶۸)

اس طرح کی بے شمار مثالیں اس کی دلیل ہیں کہ جو روایت ڈیروی صاحب کی من پسند ہوتی ہے تو وہ اس سے استدلال کرتے ہیں اور جو روایت اُن کی مرضی کے خلاف ہوتی ہے تو اس پر جرح کر دیتے ہیں۔

9۔ ڈیروی صاحب لکھتے ہیں:

''اور جب حضرت علیؓ کوفہ تشریف لائے اور حضرت ابن مسعود کی تعلیم اور متعلمین کو دیکھا تو بے ساختہ بول اٹھے:

أصحاب عبدالله سُرج هٰذه القرية حضرت عبداللہ کے شاگرد تو اس بستی کے چراغ ہیں۔

[طبقات ابن سعد ج ۶ ص ۴]'' (نور الصباح ص ۵۰، ۵۱)

یہ روایت طبقات ابن سعد (ہمارا نسخہ ج ۶ ص ۱۰) اور حلیۃ الاولیاء (۴/۱۷۰) میں مالک بن مِغْوَل عن القاسم (بن عبدالرحمٰن) عن علی رضی اللہ عنہ کی سند سے مروی ہے۔

قاسم غیر متعین ہے۔ اگر اس سے قاسم بن عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن مسعود المسعودی یا قاسم بن عبدالرحمٰن الدمشقی مراد لیا جائے تو یہ روایت منقطع ہے لہٰذا مردود ہے۔

10۔ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک تفسیر منسوب ہے۔ یہ ساری کی ساری تفسیر موضوع اور من گھڑت ہے۔ اس کی سند میں محمد بن مروان السدی اور محمد بن السائب الکلبی دونوں کذاب راوی ہیں۔

(دیکھئے ماہنامہ ''الحدیث'' شمارہ: ۲۴ ص ۵۰ تا ۵۴)

اس موضوع تفسیر سے ڈیروی صاحب نقل کرتے ہیں:

''**مخبتون متواضعون لا يلتفتون يمينًا ولا شمالًا ولا يرفعون ايديهم فى الصلوٰة**''

عاجزی وانکساری کرنے والے جو دائیں اور بائیں نہیں دیکھتے اور نہ وہ نماز میں رفع یدین کرتے ہیں۔

قارئین کرام حضرت ابن عباسؓ کا یہ فتویٰ ان کی مرفوع روایت کے عین موافق ہے جس میں رفع الیدین سے منع کیا گیا ہے۔'' (نور الصباح ص ۷۲)

یہ عبارت ہمارے نسخہ میں صفحہ ۲۱۲ پر ہے۔

اس تفسیر کے راوی سُدی کے بارے میں ڈیروی صاحب کے ممدوح سرفراز خان صفدر دیوبندی لکھتے ہیں:

''سدی کذاب اور وضاع ہے۔'' (اتمام البرہان ص ۴۵۵)

سرفراز خان صاحب مزید لکھتے ہیں:

''آپ لوگ سُدی کی ''دم'' تھامے رکھیں اور یہی آپ کو مبارک ہو۔'' (اتمام البرہان ص ۴۵۷)

معلوم ہوا کہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منسوب سُدی کی یہ تفسیر پیش کر کے ڈیروی صاحب نے سُدی کذاب کی ''دم''

تھام لی ہے۔!

[تنبیہ: سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ ثابت ہے کہ آپ شروع نماز، رکوع سے پہلے اور رکوع سے سر اُٹھاتے وقت رفع یدین کرتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج۱ ص ۲۳۵ ح ۲۴۳۱ وسندہ حسن) لہٰذا یہ موضوع تفسیری روایت صحابی کے عمل کے مقابلے میں بھی مردود ہے۔]

یہ دس روایات بطورِ نمونہ پیش کی گئی ہیں تا کہ عام مسلمانوں کو بھی معلوم ہو جائے کہ حافظ حبیب اللہ ڈیروی دیوبندی نے موضوع و مردود روایات سے استدلال کیا ہے اور من گھڑت روایات کو بطورِ حجت پیش کیا ہے۔

ڈیروی صاحب کے دس جھوٹ

اب آخر میں حافظ حبیب اللہ ڈیروی صاحب کے دس صریح جھوٹ پیشِ خدمت ہیں:

1۔ محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ کے بارے میں ڈیروی صاحب لکھتے ہیں:

''تاہم پھر بھی جمہور کے ہاں وہ صدوق اور ثقہ ہے۔'' (نورالصباح ص ۱۶۴)

ڈیروی صاحب کا یہ بیان سراسر جھوٹ پر مبنی ہے۔اس کے برعکس بوصیری فرماتے ہیں: ''**ضعفه الجمهور**'' (زوائد سنن ابن ماجہ: ۸۵۴) طحاوی فرماتے ہیں: ''**مضطرب الحفظ جداً**'' اس کے حافظے میں بہت زیادہ اضطراب ہے۔ (مشکل الآثار ج ۳ ص ۲۲۶)

بلکہ ڈیروی صاحب کے اکابر علماء میں سے انور شاہ کاشمیری دیوبندی فرماتے ہیں:

''**فهو ضعيف عندي كما ذهب إليه الجمهور**''

(وہ [ابن ابی لیلیٰ] میرے نزدیک ضعیف ہے جیسا کہ جمہور نے اسے ضعیف قرار دیا ہے)

دیکھئے فیض الباری ج ۳ ص ۱۶۸

2۔ امام یحییٰ بن معین امام ابو حنیفہ کے بارے میں فرماتے ہیں:

''**لا يكتب حديثه**'' ان کی حدیث نہ لکھی جائے۔

(الکامل لابن عدی ج ۷ ص ۲۴۷۳ وسندہ صحیح، دوسرا نسخہ ج ۸ ص ۲۳۶)

یہ قول مولانا ارشاد الحق اثری نے تاریخ بغداد (۴۵۰/۱۳) سے نقل کرنے کے بعد الکامل لابن عدی (۲۴۷۳/۷) کا حوالہ دیا ہے۔ (توضیح الکلام ۶۳۳/۲، وطبعۃ جدیدۃ ص ۹۳۹)

اس کا جواب دیتے ہوئے ڈیروی صاحب لکھتے ہیں:

''الکامل لابن عدی میں امام ابن معینؒ کی یہ جرح منقول ہی نہیں بلکہ امام اعظمؒ کا ترجمہ ص ۲۴۷۴ ج ۷ سے شروع ہوتا ہے یہ اثری صاحب کا خالص جھوٹ و بے ایمانی ہے۔''

(توضیح الکلام پر ایک نظر ص ۳۰۹)

حالانکہ امام ابوحنیفہ کا ترجمہ کامل ابن عدی میں صفحہ ۲۴۷۲ (ج ۷) سے شروع ہوتا ہے جو شخص اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتا ہو تو وہ ہمارے ہاں آکر اصل کتاب دیکھ سکتا ہے۔

کامل ابن عدی کے محولہ صفحے پر امام ابوحنیفہ پر امام ابن معین کی جرح بعینہٖ منقول ہے لہٰذا ڈیروی صاحب بذاتِ خود جھوٹ اور.......کے مرتکب ہیں۔

3۔ ضعیف ومردود سند کے ساتھ کامل ابن عدی میں امام نضر بن شمیل سے مروی ہے:

"کان أبو حنیفة متروک الحدیث لیس بثقة"

ابوحنیفہ متروک الحدیث تھے، ثقہ نہیں تھے۔ (ج ۷ ص ۲۴۷۴، نسخۂ جدیدہ ج ۸ ص ۲۳۸)

یہ ضعیف ومردود قول مولانا اثری صاحب نے بحوالہ کامل ابن عدی نقل کیا ہے۔ (توضیح الکلام ۶۲۸/۲، طبعۂ جدیدہ ص ۹۳۷) اور اس کے راوی احمد بن حفص پر جرح کی ہے۔ (توضیح الکلام طبع اول ج ۲ ص ۶۲۸)

اس حوالے کے بارے میں ڈیروی صاحب لکھتے ہیں:

"امام نضر کا یہ قول الکامل ابن عدی میں نہیں ہے۔ یہ مولانا اثری صاحب کا خالص جھوٹ ہے۔"

(توضیح الکلام پر ایک نظر، طبع اول ۱۴۲۳ھ ص ۳۱۰)

حالانکہ یہ قول الکامل لابن عدی کے دونوں نسخوں میں موجود ہے اور اس کا راوی احمد بن حفص مجروح ہے۔

4۔ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے منسوب ایک ضعیف روایت میں آیا ہے کہ انھوں نے صرف تکبیر اُولیٰ کے ساتھ ہی رفع یدین کیا۔ اس حدیث کے بارے میں ڈیروی صاحب مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہیں:

"قوله ثم لم یعد قد تکلم ناس في ثبوت هٰذا الحدیث والقوي أنه ثابت من روایة عبدالله بن مسعود ....."

ثم لم یعد جملہ کے ثبوت کے بارے میں لوگوں نے کلام کیا ہے اور قوی بات یہ ہے کہ یہ حدیث بے شک صحیح اور ثابت ہے عبداللہؓ بن مسعود کے طریق سے....."

(نور الصباح ص ۲۷ بحوالہ التعلیقات السّلفیہ ج ۱ ص ۱۲۳)

یہ روایت التعلیقات السّلفیہ (ج ۱ ص ۱۲۳ حاشیہ: ۴) میں بحوالہ "س" یعنی حاشیۃ السندھی علیٰ سنن النسائی منقول ہے اور یہی عبارت حاشیۃ السندھی میں اس طرح لکھی ہوئی ہے۔ (ج ۱ ص ۱۵۸)

ڈیروی صاحب نے سندھی کا قول بھوجیانی کے ذمے لگا دیا ہے جو کہ صریح جھوٹ اور خیانت ہے۔

5۔ ڈیروی صاحب لکھتے ہیں:

''چنانچہ صحیح سند سے ثابت ہے کہ حضرت ابوقتادہؓ کی نماز جنازہ حضرت علیؓ نے پڑھائی ہے دیکھئے مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۱۱۶، شرح معانی الآثار ج ۱ ص ۲۳۹، سنن الکبریٰ للبیہقی ج ۴ ص ۳۶ تاریخ بغداد ج ۱ ص ۱۶۱ طبقات ابن سعد ج ۶ ص ۹'' (نورالصباح ص ۲۰۹)

عرض ہے کہ اس روایت کے راوی موسیٰ بن عبداللہ بن یزید کی سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے ملاقات ثابت نہیں ہے۔

امام بیہقی یہ روایت کرنے کے بعد لکھتے ہیں: ''**وهو غلط**'' اور یہ غلط ہے۔(السنن الکبریٰ ج ۴ ص ۳۶)

غلط روایت کو صحیح سند کہہ کر پیش کرنا بہت بڑا جھوٹ ہے۔

6۔ ڈیروی صاحب لکھتے ہیں:

''چنانچہ امام ابوحاتمؒ ۔امام بخاریؒ کو متروک الحدیث قرار دیتے ہیں (مقدمہ نصب الرایہ ص ۵۸)''

(نورالصباح ص ۱۵۷)

مقدمہ نصب الرایہ ہو یا کتاب الجرح والتعدیل، کسی کتاب میں بھی امام ابوحاتم الرازی رحمہ اللہ نے امام بخاری کو ''**متروک الحدیث**'' نہیں کہا۔ ''**ثم ترکا حدیثه**'' کو ''**متروک الحدیث**'' بنادینا ڈیروی صاحب کا سیاہ جھوٹ ہے۔

تنبیہ: چونکہ ابوحاتم الرازی اور ابوزرعہ الرازی دونوں نے امام بخاری سے روایت کی ہے۔ دیکھئے تہذیب الکمال (۸۶/۱۶، ۸۷) لہٰذا ''**ثم ترکا حدیثه**'' والی بات منسوخ ہے۔

7۔ ڈیروی صاحب لکھتے ہیں:

''دونوں سندوں میں الاوزاعی بھی مدلس ہے اور روایت عن سے ہے۔''

(توضیح الکلام پر ایک نظر ص ۳۱۳)

عرض ہے کہ کسی ایک محدث سے بھی صراحتاً امام اوزاعی کو مدلس کہنا ثابت نہیں ہے۔

8۔ ڈیروی صاحب لکھتے ہیں:

''لیکن اس کی سند میں ابوعمرو الحرشی مجہول ہے اور'' (توضیح الکلام پر ایک نظر ص ۲۷۳)

عرض ہے کہ ابوعمرو احمد بن محمد بن احمد بن حفص بن مسلم النیسابوری الحمیری الحرشی کے بارے میں حافظ ذہبی نے کہا: ''**الحافظ الإمام الرحال**'' اور الذہلی سے نقل کیا کہ ''**أبو عمرو حجة**'' ابوعمرو حجت ہے۔

(تذکرۃ الحفاظ ۷۹۸/۳، ۷۹۹ ت ۷۸۸)

ایسے مشہور امام کو زمانۂ تدوین حدیث کے بعد ڈیروی صاحب کا مجہول کہنا باطل اور مردود ہے۔

9۔ سعید بن ایاس الجریری ایک راوی ہیں جو آخری عمر میں اختلاط کا شکار ہو گئے تھے۔ان کے شاگردوں میں ایک امام اسماعیل بن علیہ بھی ہیں جن کے بارے میں ڈیروی صاحب لکھتے ہیں:

''جبکہ اس کا شاگرد یہاں ابن علیہ ہے اور وہ قدیم السماع نہیں۔''

(توضیح الکلام پر ایک نظر ص ۱۶۲)

عرض ہے کہ (ابراہیم بن موسیٰ بن ایوب) الابناسی (متوفی ۸۰۲ھ) فرماتے ہیں:

" وممن سمع منه قبل التغير شعبة وسفيان الثوري والحماد ان وإسماعيل بن علية...''

اور اس (الجریری) کے اختلاط سے پہلے، شعبہ، سفیان ثوری، حماد بن زید، حماد بن سلمہ اور اسماعیل بن علیہ......نے سُنا ہے۔ (الکواکب النیرات فی معرفۃ من اختلط من الرواۃ الثقات ص ۳۶، نسخہ محققہ ص ۱۸۳) نیز دیکھئے حاشیہ نہایۃ الاغتباط بمن رمی من الرواۃ بالاختلاط (ص ۱۲۹، ۱۳۰)

لہٰذا ڈیروی صاحب کا بیان جھوٹ پر مبنی ہے۔

10۔ سجدوں میں رفع یدین کی ایک ضعیف روایت سعید (بن ابی عروبہ) سے مروی ہے جو کہ ناسخ یا کاتب کی غلطی سے السنن الصغریٰ للنسائی کے نسخوں میں شعبہ بن گیا ہے۔

اس کے بارے میں انور شاہ کاشمیری دیوبندی فرماتے ہیں:

شعبہ کا نسائی کے اندر موجود ہونا غلط ہے جیسا کہ فتح الباری کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے۔''

(نور الصباح ص ۲۳۰)

اس کے بعد جواب دیتے ہوئے ڈیروی صاحب لکھتے ہیں:

''مگر علامہ کشمیریؒ کا حافظ ابن حجرؒ کے بارے میں یہ حسن ظن صحیح نہیں ہے کیونکہ جس طرح شعبہؒ نسائی میں موجود ہیں اس طرح صحیح ابوعوانہ میں بھی موجود ہیں معلوم ہوا کہ شعبہؒ کا ذکر نہ تو نسائی میں غلط اور نہ صحیح ابوعوانہ میں بلکہ یہ حافظ ابن حجرؒ کا وہم ہے اور علامہ سید کشمیریؒ کا نِرا حسن ظن ہے۔''

(نور الصباح ص ۲۳۰)

عرض ہے کہ ''[**شعبة**] **عن قتادة عن نصر بن عاصم عن مالك بن الحويرث** ''(النسائی:۱۰۸۶) والی روایت، جس میں سجدوں میں رفع یدین کا ذکر آیا ہے، مسند ابی عوانہ میں اس متن کے ساتھ موجود نہیں ہے۔

(مثلاً دیکھئے مسند ابی عوانہ ج ۲ ص ۹۴، ۹۵)

لہٰذا اس بیان میں ڈیروی صاحب نے مسند ابی عوانہ پر صریح جھوٹ بولا ہے۔

ڈیروی صاحب کے بہت سے اکاذیب وافتراءات میں سے یہ دس جھوٹ بطورِ نمونہ پیش کئے گئے ہیں۔

ڈیروی صاحب کی چند بداخلاقیاں!

اب ڈیروی صاحب کے اخلاقی کردار کے چند حوالے پیشِ خدمت ہیں جن سے ان کی باطنی شخصیت عیاں ہو جاتی ہے۔

1۔ جمہور محدثین کے نزدیک صدوق وحسن الحدیث راوی اور امام ابوحنیفہ کے استاد تابعی صغیر محمد بن اسحاق بن یسار المدنی کے بارے میں ڈیروی صاحب لکھتے ہیں:

''اس سند میں عن ابی اسحاق دراصل محمد بن اسحاق ہے جو کہ مشہور دلا ہے''

(توضیح الکلام پر ایک نظر ص ۱۱۷)

ہر کوئی جانتا ہے کہ پنجابی، پشتو اور اردو زبان میں ''دلا'' بہت بڑی گالی ہے۔اس کی وضاحت کے لئے لغات کی طرف رجوع کیا جاسکتا ہے۔ایسے گندے اور بازاری الفاظ کی تشریح کے لئے ماہنامہ ''الحدیث'' کے اوراق اجازت نہیں دیتے۔

2۔ ڈیروی صاحب لکھتے ہیں:

''امام ترمذیؒ نے ائمہ کرامؒ کے مسلک کو خلط ملط کر دیا ہے۔جس کی وجہ سے علامہ عینیؒ جیسا شخص بھی پٹڑی سے اتر گیا ہے۔'' (توضیح الکلام پر ایک نظر ص ۲۳)

3۔ امیر المومنین فی الحدیث امام بخاری رحمہ اللہ کے بارے میں ڈیروی صاحب مَوٹے قلم سے لکھتے ہیں:

''حضرت امام بخاریؒ کی بے چینی'' (نور الصباح ص ۱۵۴)

4۔ امام ابوبکر الخطیب البغدادی کے بارے میں ڈیروی صاحب لکھتے ہیں:

''خطیب بغدادی عجیب آدمی ہے۔'' (توضیح الکلام پر ایک نظر ص ۱۵۳)

5۔ مشہور ثقہ امام بیہقی رحمہ اللہ کے بارے میں ڈیروی صاحب لکھتے ہیں:

''قارئین کرام اس عبارت میں حضرت امام بیہقی نے زبردست خیانت کا ارتکاب کیا ہے...''

(توضیح الکلام پر ایک نظر ص ۱۳۶)

6۔ مشہور ثقہ امام دارقطنی رحمہ اللہ کے بارے میں ڈیروی صاحب نے لکھا ہے:

'' جس سے دارقطنیؒ کی عصبیت و ناانصافی ظاہر ہوتی ہے۔''

(توضیح الکلام پر ایک نظر ص ۳۰۶)

7۔ مشہور امام مہذب اور ''الحافظ الإمام العلامة الثبت ''ابوعلی النیسابوری رحمہ اللہ کے بارے میں ڈیروی صاحب لکھتے ہیں:

'' ابوعلی الحافظ ظالم ہے'' (توضیح الکلام پر ایک نظر ص ۳۰۴)

8۔ عبدالحئ لکھنوی (حنفی) کے بارے میں ڈیروی صاحب لکھتے ہیں:

''مولانا عبدالحئ لکھنوی کا عبارات میں تحریف کرنا اور احناف کو نقصان پہنچانا عام عادۃ شریفہ ہے.....''

(توضیح الکلام پر ایک نظر ص ۴۶)

9۔ حبیب الرحمٰن اعظمی (دیوبندی) کے بارے میں ڈیروی صاحب لکھتے ہیں:

''مولانا حبیب الرحمٰن اعظمیؒ تو عجیب خبط میں پڑے کہ...'' (توضیح الکلام پر ایک نظر ص ۷۲)

10۔ مشہور اہلِ حدیث عالم مولانا ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ کے بارے میں ڈیروی صاحب اپنی مخصوص زبان میں لکھتے ہیں:

''جس سے ثابت ہوا کہ اثری صاحب جاننے کے باوجود گندگی کو چاٹنے کے عادی ہیں۔''

(توضیح الکلام پر ایک نظر ص ۱۰۵)

ڈیروی صاحب مزید لکھتے ہیں:

''اثری صاحب معمرؒ کی دشمنی میں (اتنا) اندھا ہو گیا ہے۔ کہ ہوش وحواس کھو بیٹھا ہے۔''

(توضیح الکلام پر ایک نظر ص ۱۲۱)

اثری صاحب کے بارے میں ایک جگہ ڈیروی صاحب اپنی ''شرافت'' کا ان الفاظ میں مظاہرہ کرتے ہیں:

''کاش ظالم انسان تجھے ماں نے نہ جنا ہوتا'' (توضیح الکلام پر ایک نظر ص ۲۰۳)

آپ نے ڈیروی صاحب کی کذب نوازی ، اکاذیب اور ''شریفانہ'' تحریر دیکھ لی ہے جس سے دیوبندی حافظ حبیب اللہ ڈیروی حیاتی کا مقام ومرتبہ واضح ہو جاتا ہے۔ وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ

(۱۱ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۷ھ)

صراطِ مستقیم کیا ہے؟

حافظ رضوان فاروقی

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمارے سامنے (زمین پر) ایک خط کھینچا، پھر فرمایا: یہ اللہ کا راستہ ہے۔ پھر چند خطوط اس کے دائیں اور بائیں کھینچے اور فرمایا: یہ متفرق راستے ہیں، ہر راستے پر شیطان بیٹھا ہوا ہے اور وہ ان کی طرف لوگوں کو بلاتا ہے پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

﴿اور بے شک یہ (دین) میرا سیدھا راستہ ہے تم اس کی پیروی کرو اور دوسرے راستوں کی پیروی مت کرو اس لئے کہ وہ راستے تم کو اللہ کی راہ سے جدا کر دیں گے﴾ (الانعام: ۱۵۳)

(مسند احمد ۱/۴۳۵ ح ۴۱۴۲ وسندہ حسن وصححہ ابن حبان والحاکم والذہبی)

ابوالاسجد صدیق رضا

غیر ثابت قصے

گیارہواں قصہ: سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا قصّہ

سیدنا ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: اے میرے رب مجھے کوئی ایسی چیز سکھلا دے کہ جس سے میں تیرا ذکر کروں اور تجھے پکاروں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے موسیٰ تُو لا اِلٰہ الاّ اللہ کہہ، موسیٰ علیہ السلام نے کہا: اے میرے رب! یہ تو تیرا ہر بندہ کہتا ہے، میں کوئی ایسی چیز چاہتا ہوں جسے تُو میرے لئے خاص کر دے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اے موسیٰ! (علیہ السلام) اگر ساتوں آسمان اور ساتوں زمینیں ایک پلڑے میں رکھ دیئے جائیں اور لا الٰہ اِلا اللہ کو ایک پلڑے میں رکھ دیا جائے تو لا اِلٰہ اِلا اللہ والا پلڑا غالب رہے گا۔ [ضعیف ہے]

تخریج: یہ روایت ابن حبان (الاحسان ۳۵/۸ ح ۶۱۸۵ / ۶۲۱۸) ابو نعیم الاصبہانی (حلیۃ الاولیاء ۳۲۸/۸) بغوی (شرح السنۃ ۵۴/۵ ح ۱۲۸۳، مصابیح السنۃ ۱۶۰/۲، ۱۶۱) حاکم (۵۲۸/۱ ح ۱۹۳۶ وصححہ ووافقہ الذہبی!) الشجری (الامالی ۲۵/۱) بیہقی (الاسماء والصفات ۱/ ۱۵۷ دوسرا نسخہ ص ۱۰۲، ۱۰۳) حکیم ترمذی (نوادر الاصول ص ۳۳۷) نسائی (عمل الیوم واللیلۃ: ۸۳۴، ۱۱۴۱، السنن الکبریٰ: ۱۰۶۷۰، ۱۰۹۸۰) دیلمی (مسند الفردوس ۱۹۲/۳) طبرانی (کتاب الدعاء ۱۴۸۹/۳ ح ۱۴۸۰) اور ابو یعلیٰ الموصلی (المسند ۵۲۸/۲ ح ۱۳۹۳) نے دراج ابو السمح عن ابی الہیثم عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ کی سند سے بیان کی ہے۔

جرح: اس کی سند ضعیف ہے اس میں درّاج بن سمعان ابو السمح ہے۔ اس کے متعلق امام احمد نے فرمایا: اس کی حدیث منکر ہے، دارقطنی نے فرمایا: ضعیف ہے اور دوسرے مقام پر فرمایا: متروک ہے، امام نسائی نے فرمایا: یہ قوی نہیں اور ایک دوسرے مقام پر فرمایا: یہ منکر الحدیث ہے۔ امام ابو حاتم نے فرمایا: اِس کی حدیث میں ضعف ہے اور فرمایا: تیرے لئے اتنا کافی ہے۔ جب ابو حاتم رازی کے سامنے کہا گیا کہ ابن معین نے فرمایا: درّاج ثقہ ہے؟ تو انھوں نے کہا: وہ ثقہ نہیں ہے۔ امام احمد نے فرمایا کہ درّاج ابو الہیثم عن ابی سعید والی احادیث میں ضعف ہے۔

حوالے: تہذیب التہذیب (ج ۳ ص ۱۸۱) اور سؤالات الحاکم (ص ۱۰۷) "العلل" لاحمد (ج ۳ ص ۱۱۶) نسائی کی الضعفاء (ص ۹۷) الجرح والتعدیل (ج ۳ ص ۴۴۱) ذہبی کی میزان الاعتدال (ج ۲ ص ۲۱۴) اور المغنی فی الضعفاء (ج ۱ ص ۲۲۲) ابن الہادی کی بحر الدم (ص ۱۴۳) اور عینی کی مغانی الاخیار (قلمی ص ۱۹۳/ط)

حاکم نے کہا: یہ حدیث صحیح الاسناد ہے/ جبکہ ایسا نہیں ہے اگر چہ ذہبی نے بھی اُن کی موافقت کر رکھی ہے۔

ابن حجر نے فتح الباری (ج ۱۱ص ۲۰۸) میں اس روایت کو ذکر کیا اور کہا: ''نسائی نے صحیح سند کے ساتھ اسے روایت کیا۔''

حالانکہ اس کی سند ضعیف ہے، جیسا کہ بذات خود حافظ ابن حجر نے تقریب التہذیب (ص ۲۰۱ ت: ۱۸۲۴) میں درّاج کے متعلق لکھا ہے کہ ابوالہیثم سے مروی اس کی حدیث میں ضعف ہے۔ ہیثمی نے مجمع الزوائد (ج ۱ص ۸۲) میں اسے ذکر کیا اور پھر فرمایا: اِسے ابویعلیٰ نے روایت کیا ہے، اس کے ''رجال'' کی توثیق کی گئی ہے اور ان میں ضعف بھی ہے۔ انتہی

عرضِ مترجم: علاّمہ فوزی حفظہ اللہ کی اِس تحقیق کا خلاصہ یہ نکلا کہ یہ حدیث سنداً ضعیف ہے، اس کی سند میں درّاج بن سمعان ابوالسمح راوی (جب ابوالہیثم سے روایت کرے تو) ضعیف ہے (ورنہ صدوق حسن الحدیث راوی ہے۔)

ویسے بھی ''لا اِلٰہ الاّ اللہ'' کلمہ طیبہ کے صحیح احادیث کی روشنی میں بہت سے فضائل ہیں مثلاً حدیث البطاقہ سے ثابت ہے کہ لاإلٰہ إلااللہ اور أنّ محمداً عبدہ ورسولہ قیامت کے دن میزان کے پلڑے میں سب سے بھاری ہوگا۔ (الترمذی: ۲۶۳۹ وسندہ صحیح وصححہ الحاکم ۱/۶، ۵۲۹ ووافقہ الذہبی) پھر محض اپنی تقریر وتحریر کو مزین وخوبصورت بنانے کے لئے رسول اللہ ﷺ کی طرف ایک غیر ثابت شدہ بات منسوب کرنا قطعاً درست نہیں۔

بارہواں قصّہ: سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہدِ مبارک میں دریائے نیل کی روانی کا قصّہ

قیس بن الحجاج اُس سے روایت کرتے ہیں جس نے اُن سے یہ قصّہ بیان کیا کہ ''جب ملکِ مصر فتح ہوا تو سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ (بطورِ گورنر) وہاں تشریف لائے۔ جب عجمی مہینوں میں سے ایک مہینہ شروع ہوا تو (کچھ لوگ آپ کے پاس آئے اور) کہا کہ اے حاکمِ وقت! یقیناً یہ ہمارے اس دریائے نیل کا ایک دستور ہے اور یہ اُس دستور کے بغیر اپنی روانی جاری نہیں رکھتا۔ سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ نے فرمایا وہ دستور کیا ہے؟ (تو اُن میں سے کسی نے) کہا: جب اِس ماہ کی گیارہ راتیں گزر جاتی ہیں تو ہم ایک کنواری لڑکی جو اپنے والدین کی اکلوتی بیٹی ہو تلاش کرتے ہیں، اُس کے والدین کو رضامند کرتے ہیں پھر بہترین لباس پہنا کر (زیورات سے آراستہ کرکے) اُسے (بھینٹ چڑھاتے ہوئے) دریائے نیل میں ڈال دیتے ہیں۔ (تو پھر دریائے نیل کی روانی جاری رہتی ہے ورنہ رک جاتی ہے)

سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ نے اُن سے کہا: ''اسلام میں ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا۔ یقیناً اسلام تو اپنے سے پہلے (کی رسوماتِ جاہلیت) کو مٹا دِیتا ہے۔ اہلِ مصر اُس دن اس کام سے رک گئے اور نیل تھا کہ نہ تو سست روی کے ساتھ بہتا نہ ہی تیزی کے ساتھ بلکہ اُس کی روانی بالکل رک گئی۔ یہاں تک کہ لوگوں نے مصر سے نکلنے کا ارادہ کرلیا۔

جب سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے یہ معاملہ دیکھا تو اِس کے متعلق امیر المومنین سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی طرف ایک خط لکھا اور یہ بات بتلائی۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جواب میں لکھ بھیجا کہ آپ نے بالکل صحیح کیا، اسلام تو واقعتاً جاہلیت کی سابقہ رسومات کو مٹا دیتا ہے اور

آپ نے اپنے اُس خط کے اندر ایک ''رقعہ'' بھی ارسال فرمایا اور لکھ بھیجا کہ میں آپ کی طرف اپنے اِس خط کے ساتھ ایک ''رقعہ'' بھی بھیج رہا ہوں، آپ یہ ''رقعہ'' دریائے نیل میں ڈال دیں۔

جب سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے پاس آپ کا خط پہنچا تو انھوں نے وہ خط پڑھا اور وہ ''رقعہ'' اٹھایا اُسے کھولا تو اُس میں یہ لکھا تھا: اللہ کے بندے عمر امیر المومنین (رضی اللہ عنہ) کی طرف سے اہل مصر کے دریائے نیل کی طرف، اما بعد:

اے نیل! اگر تو اپنی مرضی سے بہتا ہے تو نہ بہہ (اپنا بہاؤ روک دے) اور اگر اللہ عزوجل تجھے بہاتا ہے تو میں اللہ الواحد القہار سے دعا کرتا ہوں کہ وہ تیرا بہنا جاری فرما دے۔

سیدنا عَمرو رضی اللہ عنہ نے بھینٹ چڑھانے سے ایک دن قبل وہ ''رقعہ'' دریائے نیل میں ڈال دیا۔ جب کہ اہلِ مصر، مصر سے نکلنے کا فیصلہ کر چکے تھے چونکہ مصر میں اُن کی منفعت تو دریائے نیل سے وابستہ تھی۔

(الغرض) جب وہ ''رقعہ'' ڈالا گیا تو لوگوں نے یوم الصلیب کی صبح دیکھا کہ ایک ہی رات میں اللہ تعالیٰ نے دریائے نیل میں سولہ (۱۶) ہاتھ تک کی اونچائی میں پانی بہا دیا۔ پس اُس دن سے لے کر آج تک اللہ تعالیٰ نے اہلِ مصر کے اس برے طریقہ کو ختم فرما دیا۔ یہ مُنکر روایت ہے۔

تخریج: اِس روایت کو ابو الشیخ (العظمۃ ج ۴ ص ۱۴۲۴) اللالکائی (الکرامات ص ۱۱۹) اور ابن عبد الحکم نے فتوح مصر (ص ۱۰۴) میں ''ابن لهيعة عن قيس بن الحجاج عمن حدثه'' کی سند سے روایت کیا۔

جرح: اِس کی سند ضعیف ہے اس میں دو علّتیں ہیں:

پہلی علت: ابن لہیعہ ہے اور یہ عبد اللہ بن لہیعہ الحضرمی ہے۔ یہ سیّئ الحفظ (بُرے حافظے والا) اور ضعیف ہے۔

دوسری علت: اِس میں ایک راوی (مجہول) ہے جس کا نام نہیں بیان کیا گیا۔

حوالے: دیکھئے تہذیب التہذیب (ج ۵ ص ۳۲۷) تقریب التہذیب (ص ۳۱۹ ت: ۳۵۶۳) میزان الاعتدال (ج ۳ ص ۱۸۹) الکاشف (ج ۲ ص ۱۰۹) ابن الجوزی کی الضعفاء (ج ۲ ص ۱۳۰) السندھی کی کشف الاستار (ص ۵۸) اور ابن الکیال کی الکواکب النیرات (ص ۴۸۱)

[ابن لہیعہ کے بارے میں قولِ فیصل یہ ہے کہ اگر وہ سماع کی تصریح کرے اور اختلاط سے پہلے بیان کرے تو اس کی روایت حسن لذاتہ ہوتی ہے۔/ زبیر علی زئی]

اور علّامہ سیوطی نے ''تخریج احادیث العقائد'' میں کہا کہ ''اِس روایت کو ابو الشیخ ابن حبّان نے کتاب العظمۃ میں جس سند کے ساتھ بیان کیا اس سند میں ایک راوی مجہول ہے۔'' (ص ۱۴)

ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں (ج ۱ ص ۲۷) اور سیوطی نے حسن المحاضرہ (ج ۲ ص ۳۵۳) میں اسے ذکر کیا ہے۔ (انتہیٰ)

عرضِ مترجم: اِس قصّہ کا ضعف آپ کے سامنے ہے کہ اِس کے بیان کرنے والے کا سراغ ہی نہیں ملتا کہ کون تھا؟

کیسا تھا؟ ایک مجہول نامعلوم شخص ہے جس نے یہ قصّہ بیان کیا۔لیکن افسوس! کہ آج کتنے ہی محراب ومنبر ہیں کہ جن پر یہ اوراس قسم کی سینکڑوں، ہزاروں کہانیوں کی گونج سنائی دیتی ہے اور کتنے ہی قصّہ گو واعظین وخطباء ہیں جو، جوش خطابت میں یا اپنے وعظ وتقریر کو خوش نما بنانے کے لئے اِسے بیان کر دیتے ہیں،اور خبر، قبولیتِ خبر واشاعتِ خبر سے متعلق قرآن وسنّت کے بیان کردہ محکم اصول وضوابط کی کچھ پروانہیں کرتے۔اور کتنے ہی ایسے علمائے سوء ہیں جو عقیدۂ توحید پر حملہ آور شرک وبدعات اور توہم پرستی کو سہارا دینے والی ایسی کہانیاں بیان کرتے ہوئے نہیں تھکتے بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ کر اپنے طلسماتی ومن گھڑت کراماتی مذہب کو تقویّت پہنچانے کے لئے اِس قسم کی بے سندو بے ثبوت کہانیوں سے استدلال وحجت پکڑنے سے بھی ذرا نہیں ہچکچاتے: کاش ایسا کرتے ہوئے وہ لمحہ بھر کو توقف فرمائیں غوروفکر اور تدبر سے کام لیتے ہوئے ان کی قباحت وشناعت کا بھی اندازہ لگائیں تو شاید کہ اپنے اس طرزِ تغافل سے باز آجائیں۔اب ذرا اِس کہانی کی قباحت ملاحظہ کیجئے!

یہ کہانی بتلاتی ہے کہ ہر سال دریائے نیل اپنی روانی وبہاؤ کو روک دیتا پھر جب اہلِ مصر ایک کنواری لڑکی کو سجا دھجا کر اُسے دلہن بنا کر اُس کی بھینٹ چڑھاتے تو پھر دریائے نیل اُن کی اِس قربانی سے خوش وخرّم ہو کر اپنی ناراضگی ختم کر دیتا ورنہ وہ اپنی روانی روک کر ایک ظالمانہ، وحشیانہ اور انسانیت سوز قربانی کا مطالبہ اور اصرار کرتا۔یہ کہانی بتلاتی ہے کہ یہ کوئی ایک آدھ سال کا اتفاقی حادثہ یا واقعہ نہیں تھا بلکہ یہ تو ہر سال کا معمول تھا۔اُس کی پختہ عادت، قانون اور دستور تھا۔دریائے نیل ہر سال ایک دلہن ایک کنواری دوشیزہ کا چڑھاوا اور بھینٹ لئے بغیر چلتا ہی نہیں تھا،اُس کا یہ قانون ودستور ایسا اٹل تھا کہ سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے انکار پر اُس نے تیزی کے ساتھ بہنا تو درکنار سست روی کے ساتھ بہنا بھی گوارا نہیں کیا۔حتیٰ کہ خود سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے بھی اِس کا مشاہدہ کیا گویا کہ دریائے نیل میں یہ قوّت وصلاحیّت اختیاری طور پر موجود تھی کہ چاہتا تو بہتا رہتا اور چاہتا تو اپنی روانی پر فُل سٹاپ (Full Stop) لگا دیتا اور اپنا بہاؤ روک دیتا اور پھر دریائے نیل عقل وشعور سے بھی مالا مال تھا کہ اپنا مطالبہ پورا ہوتے ہی بہنا شروع کر دیتا، کیا ہی زبردست کرشمہ تھا۔!؟

بہت خوب! اب سَرَسُوتی اور گنگا، جمنا نامی دریاؤں میں کرشموں کے قائل اور اُن کی داستانیں سنانے والوں کو کس منہ سے احمق کہا جائے؟ افسوس ہے ایسی کہانیوں کو سچا سمجھ کر بیان کرنے والوں کی عقل وفہم پر، اُن کی چھوٹی سمجھ اور محدود سوچ پر!

المختصر! اِس قسم کی کہانیوں کو سچا سمجھ کر بیان کرنے والے مولویانِ گرامی کو چاہیے کہ وہ دریاؤں سمندروں کی کرامتوں اور کرشموں کے بھی قائل ہو جائیں تاکہ ان بے سروپا کہانیوں پر پوری طرح سے عمل پیرا ہوں نہ صرف یہ کہ ان کہانیوں کا بھی حق ادا ہو جائے بلکہ اِن کے طلسمی کرامات کے من گھڑت قصوں اور دیومالائی کہانیوں کو بھی پوری تقویت ملے۔

الحدیث: 27

تیرہواں قصّہ: سیدنا تمیم داری رضی اللہ عنہ کا قصّہ اُس آگ کے ساتھ جو حرّہ سے نکلی

(مسیلمہ کذاب کے داماد) معاویہ بن حرمل نے کہا: میں مدینہ آیا تو سیدنا تمیم داری رضی اللہ عنہ مجھے اپنے ساتھ کھانے پر لے گئے تو میں نے بہت زیادہ کھایا۔ بھوک کی شدت کی وجہ سے میں سیر نہ ہوا۔ اس سے پہلے میں تین دن مسجد میں ٹھہرا رہا میں نے کچھ نہیں کھایا تھا۔ ہم بیٹھے ہوئے تھے کہ اِتنے میں مقام حرّہ سے ایک آگ نکلی تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سیدنا تمیم رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لائے اور فرمایا: چلئے اِس آگ کی طرف.................

تو انھوں نے کہا: اے امیر المومنین ! میں کون ہوں اور میں کیا ہوں؟ مطلب میری کیا حیثیت ہے؟ وہ اسی طرح کہتے رہے یہاں تک کہ عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ کھڑے ہوئے۔ (معاویہ بن حرمل) کہتے ہیں: میں اُن دونوں کے پیچھے چل پڑا وہ دونوں آگ کی طرف گئے اور تمیم رضی اللہ عنہ اُس آگ کو اپنے ہاتھ سے دھکیلنے لگے۔ حتیٰ کہ آگ ایک گھاٹی میں داخل ہوگئی، تمیم رضی اللہ عنہ بھی اُس کے پیچھے اُس گھاٹی میں داخل ہوگئے تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: ''**لیس من رأی کمن لم یر**'' جس نے دیکھا وہ نہ دیکھنے والے کی طرح نہیں۔ (یہ منکر روایت ہے)

تخریج: اسے ابونعیم (دلائل النبوۃ ج۲ص۵۸۳) اور بیہقی دلائل النبوۃ (ج۶ص۸۰) نے حماد بن سلمہ عن الجریری عن ابی العلاء عن معاویۃ بن حرمل کی سند سے روایت کیا ہے۔

اس کی سند ضعیف ہے، اس سند میں (مسیلمہ کذاب کا داماد) معاویہ بن حرمل ہے۔ ابن ابی حاتم نے الجرح والتعدیل (ج۸ص۳۸۰) میں اسے ذکر کیا لیکن اِس پر کوئی جرح یا تعدیل نقل نہیں کی لہٰذا یہ ''مجہول'' ہے۔

حافظ ذہبی نے ''تاریخ الاسلام'' (ص۶۱۵) میں عہد الخلفاء الراشدین کے ضمن میں (اور سیر اعلام النبلاء ۲/۴۴۶، ۴۴۷ میں) اس قصے کو بیان کیا اور فرمایا: یہ معاویہ بن حرمل پہچانا نہیں جاتا۔ رہے ابن حبّان تو انھوں نے مجہولین کی توثیق کے متعلق اپنے قاعدہ کے مطابق اسے اپنی ''کتاب الثقات'' (ج۵ص۴۱۶) پر ذکر کیا ہے (اس سلسلے میں ابن حبان کا تساہل طلبائے حدیث کے لئے محتاجِ تفصیل نہیں۔ مترجم)

[حافظ ابن حجر نے معاویہ بن حرمل کو الاصابہ میں القسم الثالث میں ذکر کر کے کہا: ''**لـــه ادراک**'' یعنی اُس نے نبی ﷺ کا زمانہ پایا ہے۔ (۳/۴۹۷)

القسم الثالث کے بارے میں حافظ ابن حجر نے بذاتِ خود لکھا ہے کہ ''**وھٰؤلاء لیسوا أصحابه باتفاق أھل العلم بالحدیث**'' اس پر علمائے حدیث کا اتفاق ہے کہ یہ لوگ نبی ﷺ کے صحابہ نہیں ہیں۔ (الاصابہ ۱/۶)

معلوم ہوا کہ مسیلمہ کذاب کا داماد معاویہ بن حرمل صحابہ میں سے نہیں تھا۔]

یہ قصّہ ابن حجر نے الاصابہ (ج۳ص۴۷۳) ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ (ج۶ص۱۵۳) اور الشمائل (ص۳۲۱) میں اور ابونعیم نے دلائل النبوۃ (۲ص۵۸۳) میں بھی ایک اور سند سے ذکر کیا: **حدثنا عبداللہ بن محمدبن جعفر**

الحدیث: 27

قال: ثنا عبدالله بن عبد الرحمٰن بن واقد: ثنا أبي: ثنا ضمرة عن مَرزوقٍ: ''أنَّ نارًا خرجت علىٰ عهدِ عمر رضي الله عنه. فجعَل تميم الداري يدفعها بردائه حتىٰ دخلت غارًا فقال له عمر: لمثل هذا كنا نحبّكَ يا أبا رقيّة! '' کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے عہد مبارک میں ایک آگ نکلی تو سیدنا تمیم داری رضی اللہ عنہ اسے اپنی چادر سے ہٹانے لگے۔حتیٰ کہ وہ آگ ایک غار میں داخل ہوگئی تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اسی وجہ سے تو ہم آپ سے محبت کرتے ہیں اے ابورقیہ! ''

یہ سند ساقط (سخت ضعیف) ہے اس میں دو علّتیں (وجہِ ضعف) ہیں۔

پہلی علت: عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن واقد مجہول ہے۔

دوسری علت: مرزوق بن نافع ہے۔ابن ابی حاتم نے الجرح والتعدیل (۸ص ۲۶۵) میں اِسے ذکر کیا اور اس پر نہ تو کوئی جرح ذکر کی نہ ہی تعدیل پس یہ ''مجہول'' ٹھہرا۔

عرضِ مترجم: اس تحقیق کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ دوسندوں سے مذکور ہے اور دونوں سے واضح ہوتا ہے کہ اِسے ''مجہول'' نامعلوم افراد نے بیان کیا، اُن کا کچھ پتا نہیں چلتا کہ وہ ثقہ تھے یا ضعیف تھے؟ مجہول کی روایت کا ناقابلِ قبول ہونا مسلّمہ امر ہے۔

ویسے بھی ایسی کوئی آگ نکلتی تو اور بھی لوگ دیکھتے اور ثقہ لوگ بھی بیان کرتے نہ کہ مجہول لوگ ہی بیان کرتے۔

چودھواں قصّہ: ایک عبادت گزار آدمی کا قصہ

(مروی ہے کہ) سیدنا جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اللہ عزوجل نے جبریل علیہ السلام کو حکم دیا کہ فلاں فلاں شہر کو اُس میں رہنے والوں کے ساتھ اُلٹ دو۔ (تباہ کردو) سیدنا جبریل علیہ السلام نے عرض کی: اے میرے رب اُس شہر میں تو تیرا فلاں بندہ بھی ہے اُس نے پلک جھپکنے کے لمحے بھی تیری نافرمانی نہیں کی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اُن سب پر اس شہر کو الٹ دو اس لئے کہ اُس کا چہرہ (میری نافرمانیوں کو دیکھ کر) ایک گھڑی بھی (غصے سے) متغیر نہ ہوا۔ یہ باطل قصہ ہے۔

تخریج: اسے بیہقی نے شعب الایمان (۶/۹۷ ح ۷۵۹۵) میں ''عبيد بن إسحاق العطار: نا عمار بن سيف عن الأعمش عن أبي سفيان عن جابر بن عبدالله رضي الله عنه'' کی سند سے روایت کیا ہے۔

اِس کی سند میں تین علّتیں ہیں:

پہلی علت: عبید بن اسحاق العطّار ہے۔اِسے یحییٰ بن معین نے ضعیف قرار دیا۔امام بخاری نے فرمایا: اس کے پاس منکر روایات ہیں۔دارقطنی نے فرمایا: ضعیف ہے۔ابن عدی نے فرمایا: اس کی عام احادیث منکر ہیں۔نسائی نے فرمایا: یہ متروک ہے۔ابن الجارود نے فرمایا: یہ عطار المطلقات کے نام سے معروف تھا، یہ جو حدیثیں بیان کرتا وہ باطل ہیں۔

الحدیث:27

ابو حاتم رازی اس راوی پر راضی ہوئے اور فرمایا: ہم نے اس میں اچھائی ہی دیکھی یہ ثبت نہیں تھا اِس کی احادیث میں کچھ نکارت تھی۔

دوسری علت: عمار بن سیف الضبی ہے اور یہ ضعیف ہے۔

تیسری علت: الاعمش سلیمان بن مہران ہیں اور یہ مدلّس ہیں انھوں نے اس روایت کو"عن" سے بیان کیا، سماع کی صراحت نہیں کی۔[یہ علت اس صورت میں ہے جب اعمش تک سند صحیح ثابت ہوجائے۔]

حوالے: دیکھئے میزان الاعتدال (ج۳ص۴۱۵) ابن الجوزی کی الضعفاء (ج۲ص ۱۵۹) عقیلی کی الضعفاء الکبیر (ج۳ص۱۱۵) ابن حجر کی لسان المیزان (ج۴ص ۱۱۷) تعریف اہل التقدیس (ص ۶۷) اور تقریب التہذیب (عمار بن سیف:۴۸۲۶،الاعمش :۲۶۱۵)

علاّمہ ہیثمی نے مجمع الزوائد (ج۷ص۲۷۰) میں اِسے ذکر کیا پھر فرمایا: طبرانی نے الاوسط میں اِس قصّہ کو عبید بن اسحاق العطاّر عن عمار بن سیف سے روایت کیا یہ دونوں ہی ضعیف ہیں عمار بن سیف کو ابن المبارک اور ایک جماعت نے ثقہ کہا اور عبید بن اسحاق سے ابو حاتم راضی تھے۔انتہیٰ

[عبید بن اسحاق اور عمار بن سیف دونوں جمہور محدثین کے نزدیک ضعیف و مجروح ہیں لہٰذا امام ابن المبارک کی توثیق اور ابو حاتم الرازی کی رضامندی جمہور کی اس جرح کے مقابلے میں ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔]

اِس حدیث کو امام بیہقی نے شعب الایمان میں ضعیف قرار دیا اور اِسی میں (ج ۲ص ۹۷) اس حدیث کو ''**أبو العباس الأصم :نا الخضر بن أبان: نا سیار نا جعفر عن مالک** (بن دینار)'' کی سند سے روایت کیا اور اِس میں ہے کہ فرمایا:

اللہ عزوجل نے ایک بستی کو عذاب دینے کا حکم دیا تو فرشتے تکلیف سے پکار اٹھے کہ اے اللہ: ان میں تیرا فلاں بندہ بھی ہے؟ تو اللہ نے فرمایا: اُس کی تو مجھے چیخ سناؤ اِس لئے کہ میری حرام کردہ چیزوں کی پامالی پر غصّہ سے کبھی اُس کا چہرہ بھی متغیر نہ ہوا۔امام بیہقی نے فرمایا کہ یہ مالک بن دینار کے قول سے محفوظ ہے۔(مطلب یہ ہے کہ اُن کا قول ہے نہ کہ حدیث) میں کہتا ہوں اِس کی بھی سند ضعیف ہے۔اِس میں خضر بن ابان الہاشمی ہے حاکم نے اِسے ضعیف قرار دیا اور دارقطنی نے بھی اِس پر کلام کیا دیکھئے میزان الاعتدال (ج ۲ص ۱۷۷) اور لسان المیزان (ج ۲ص ۳۹۹)

عرضِ مترجم: اِس تحقیق کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ روایت مرفوعاً عبید بن اسحاق العطاّر اور عمار بن سیف کے ضعف اور اعمش کی تدلیس کی وجہ سے ضعیف ہے۔مالک بن دینار کا قول بھی سنداً اخضر بن اَبان الہاشمی کی وجہ سے ضعیف ہے۔ویسے بھی مالک بن دینار کا اللہ تعالیٰ اور فرشتوں کا مکالمہ سننا شرعاً محلِ نظر ہے،آپ نبی نہیں تھے اور نبوّت اپنے تمام لوازمات کے ساتھ ختم ہوچکی ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **لم یبق من النبوّة إلا المبشرات** نبوت میں سے کچھ

باقی نہیں رہا سوائے سچے خوابوں کے۔(صحیح البخاری، کتاب التعبیر ، باب المبشرات، رقم الحدیث:۶۹۹۰)

پندرھواں قصّہ: سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا قبرستان جانے کا قصّہ

سیدنا عبداللہ بن عَمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ چل رہے تھے، آپ نے ایک عورت کو دیکھا یہ نہیں سمجھا جاسکتا کہ آپ نے انھیں پہچان لیا ہو آپ جب راستے کے درمیان پہنچے تو ٹھہر گئے یہاں تک کہ وہ پہنچ گئیں تو وہ رسول اللہ ﷺ کی بیٹی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا تھیں۔ آپ نے اُن سے فرمایا: اے فاطمہ! (رضی اللہ عنہا) کس بات نے تجھے گھر سے باہر نکالا؟ سیّدہ نے جواب ارشاد فرمایا کہ میں اِس میّت کے گھر والوں کے ہاں گئی تھی انھیں تسلّی دینے اور اُن سے تعزیت کرنے۔

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: شاید تم اُن کے ساتھ قبرستان تک پہنچ گئی تھیں؟ تو سیدہ نے فرمایا: معاذ اللہ! اللہ کی پناہ کہ میں اُن کے ساتھ وہاں تک پہنچ جاتی جب کہ میں نے آپ سے اِس کے متعلق سنا ہے جو آپ بیان کرتے ہیں۔

(سختی سے منع فرماتے ہیں) تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر تم اُن کے ساتھ وہاں تک چلی جاتیں تو تم جنت میں اُس وقت تک نہیں جاسکتی تھیں جب تک کہ تمھارے والد کے دادا نہ چلے جاتے۔ یہ منکر روایت ہے۔

تخریج: اسے ابو داود (ج۳ص۱۹۲ح ۳۱۲۳) نسائی (السنن الکبریٰ ۱/۶۱۶ح ۲۰۰۷، السنن الصغریٰ ج۴ ص۲۷ح ۱۸۸۱) احمد (ج۲ص۱۶۸ح ۶۵۷۵) المزی (تہذیب الکمال قلمی ۴۵۷/ط) حاکم (ج۱ص۳۷۳ ح ۱۳۸۲) بیہقی (ج۴ص۷۷) ابن الجوزی (العلل المتناہیۃ ج۱ص۹۰۲) ابویعلیٰ (ج۱۲ص۱۱۳ و ص۱۱۴) اور ابن حبان (الصحیح ج۵ص۲۵۹) نے "**عن ربیعة بن سیف المعافري عن أبي عبدالرحمٰن الحُبُلِيّ عن عبد الله بن عمرو بن العاص**" کی سند سے یہ حدیث بیان کی ہے۔

جرح: اِس کی سند ضعیف ہے اس میں ربیعہ بن سیف المعافری ہے اس کی منکر روایات ہیں۔

حوالے: دیکھئے تہذیب التہذیب (ج۳ص۲۲۱) اور تقریب التہذیب (ص۲۰۷) امام نسائی نے اس حدیث کو بیان کرنے کے بعد فرمایا: ربیعہ ضعیف الحدیث ہے۔ اور ابن الجوزی نے فرمایا کہ یہ حدیث ثابت نہیں اس کی دونوں سندوں میں ربیعہ ہے اور دوسری سند میں مجہول راوی ہیں امام بخاری نے فرمایا: ربیعہ المعافری کے پاس منکر روایات ہیں۔ انتہیٰ اور امام حاکم نے فرمایا کہ یہ حدیث شیخین کی شرط پر صحیح ہے، اور در حقیقت ایسا نہیں ہے جیسا کہ انھوں نے کہا اگرچہ امام ذہبی نے بھی اُن کی موافقت کر رکھی ہے۔ باوجود یہ کہ ربیعہ بن سیف شیخین کے رواۃ میں سے نہیں ہیں۔

اِس حدیث کو الشیخ البانی نے بھی ضعیف قرار دیا۔ ضعیف سنن ابی داود (ص۳۱۷)

[اس روایت کی سند حسن لذاتہ ہے۔ اسے ابن حبان، حاکم اور ذہبی نے صحیح، منذری اور ہیثمی نے حسن قرار دیا ہے۔ ربیعہ بن سیف جمہور کے نزدیک موثق راوی ہے دیکھئے نیل المقصود فی التعلیق علیٰ سنن ابی داود: ۳۱۲۳،

اس روایت میں شدید الفاظ وعید پر محمول ہیں۔/ زع]

سولھواں قصہ: رسول اللہ ﷺ کا واقعۂ طائف:

محمد بن کعب القرظی سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ طائف پہنچے تو آپ نے ثقیف قبیلہ کے چند لوگوں کے ہاں تشریف لے جانے کا ارادہ فرمایا، اُن دنوں وہ قبیلۂ ثقیف کے روساء واشراف تھے اور وہ تین بھائی تھے۔(۱) عبدیا لیل بن عمرو بن عمیر، (۲) اور مسعود بن عَمرو بن عمیر (۳) اور حبیب بن عَمرو بن عمیر بن عوف بن عقدۃ بن غیرۃ بن عوف بن ثقیف اُن میں سے ایک کے ہاں (اُن کی زوجیت میں) قریش کے بنی جُمح قبیلہ کی ایک عورت تھی۔ رسول اللہ ﷺ اُن کے ساتھ تشریف فرما ہوئے اور انھیں دعوتِ الی اللہ دی اور دعوتِ اسلام کی وجہ سے انھیں جو تکلیفیں پہنچیں اُن کو بتلایا اور انھیں اپنی قوم میں سے مخالفت کرنے والوں کے خلاف اپنا ساتھ دینے کی دعوت دی ۔۔۔۔۔۔۔۔جب رسول اللہ ﷺ کو اُن شریر لوگوں سے اطمینان حاصل ہوا تو (راوی کہتے ہیں: جو کچھ مجھے یاد ہے، آپ ﷺ نے دعا کرتے ہوئے یوں) فرمایا: ((اللهم إليک أشكُوُ ضعفَ قوّ تي .وَقِلَّة حيلتي، وهواني على النّاس ، يا أرحمَ الراحمين ، أنت رب المستضعفين ، وأ نتَ ربيِّ،اِلٰى مَنْ تَكِلني؟ اِلٰى بعيد يتجهمني ؟ أم إلٰى عدوّ مَلّكتَهُ أمري؟.....))

اے اللہ! میں اپنی کمزوری وبے بسی کی اور لوگوں میں اپنی بےقدری کی تجھ ہی سے شکایت کرتا ہوں، اے ارحم الراحمین! تو ہی کمزوروں کا رب ہے اور تو ہی میرا رب ہے، تو مجھے کس کے سپرد کرتا ہے؟ کسی اجنبی بیگانے کی جو مجھے دیکھ کر ترش رو ہوتا ہے اور منہ چڑھاتا ہے؟ یا کسی ایسے دشمن کے حوالے کرتا ہے کہ جس کو تو نے میرے معاملے میں طاقت دی ہے۔ ۔۔۔۔۔۔یہ ضعیف روایت ہے۔

تخریج: ابن اسحاق نے اسے بیان کیا جیسا کہ سیرۃ ابن ہشام (ج۲ص۴۷) میں بلا سند مذکور ہے۔ اور اسی طرح طبری نے اسے اپنی تاریخ میں (ج۲ص۳۴۵) اور العبدری ''بهجة المُهَج في بعضِ فضائلِ الطائف وَوَج'' (ص۴۳) میں ''عن ابن إسحاق قال: حدثني يزيد بن زيد عن محمد بن كعب القُرَظي'' کی سند سے مرسلاً بیان کیا اور طبرانی نے ''الدعاء''میں (ج۲ص۱۲۸۰) مختصراً بیان کیا اور ابن مَندہ نے ''الردعلى الجهمية'' (ص۹۹) میں ''وهب بن جرير بن حازم: ثنا أبي عن محمد بن إسحاق عن هشام بن عروة عن أبيه عن عبدالله بن جعفر'' کی سند سے یہ روایت بیان کی۔

جرح: اِس کی سند ضعیف ہے۔ اِس میں محمد بن اسحاق مدلّس ہیں۔ انھوں نے اس روایت کو عن سے بیان کیا، اور سماع کی تصریح نہیں کی، پس یہ حدیث ضعیف ہے۔

علامہ ہیثمی نے مجمع الزوائد (ج٦ص ٣٥) میں یہ روایت ذکر کی پھر فرمایا: اِسے طبرانی نے روایت کیا اس میں

ابن اِسحاق مدلّس ہیں ثقہ ہیں۔ اس کے بقیہ رواۃ (بھی) ثقہ ہیں۔ (مدلّس جب ثقہ ہو تب بھی ''عن'' سے بیان کردہ یا اُن الفاظ سے بیان کردہ روایت کہ جس میں تدلیس کا شبہ ہو، صحیح نہیں ہوتی۔ ضعیف راوی کی روایت تو ویسے ہی حجت نہیں، تدلیس اُس کی مزید قباحت ہوگی)

اِس حدیث کو علاّمہ البانی نے بھی فقہ السیر ۃ (ص ۱۲۶) میں ضعیف قرار دیا ہے۔

عرضِ مترجم: اِس تحقیق کا خلاصہ یہ ہوا کہ یہ روایت دوسندوں سے مذکور ہے۔ ایک محمد بن کعب القرظی سے، یہ مرسل روایت ہے، القرظی تابعی تھے، اگرچہ بعض نے یہ بھی کہا کہ یہ عہد نبوی ﷺ میں پیدا ہوئے۔ تب بھی یہ مدینہ کے رہنے والے ہیں اور واقعہ طائف کا ہے جو رسول اللہ ﷺ کی مکی زندگی کا ہے اور مدینہ آنے سے پہلے کا ہے۔ پھر نبی ﷺ سے اِن کا سماع بھی ثابت نہیں۔ اور دوسری سند میں محمد بن اسحاق مدلّس ہیں اُن کی تدلیس کی وجہ سے یہ روایت ضعیف ہے، باقی آپ ﷺ کا تبلیغ کے لئے، عبد یالیل سے گفتگو فرمانا اور اُن بدبختوں کا آپ ﷺ کو سخت تکلیف پہنچانا صحیح احادیث سے ثابت ہے۔ اِس کے لئے صحیح البخاری، کتاب بدء الخلق، رقم الحدیث (۳۲۳۱) اور صحیح مسلم کتاب الجہاد باب مالقی النبی ﷺ من اذی المشرکین دیکھ لیجئے۔

حافظ عبدالوحید سلفی

ایمان کا تقاضا

﴿اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ. وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَخْشَ اللّٰهَ وَيَتَّقْهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ﴾

''(اس کے برعکس) اہلِ ایمان (کی شان تو یہ ہے کہ ان) کو جب اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ ان کے درمیان (ان کے باہمی جھگڑوں کا) فیصلہ کرے تو وہ کہہ اُٹھتے ہیں کہ ہم نے سُنا اور مان لیا۔ ایسے ہی لوگ (آخرت میں) فلاح پانے والے ہیں جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا کلمہ مانیں اور اللہ سے ڈریں اور اس (کی نافرمانی) سے بچیں تو ایسے ہی لوگ کامیاب ہیں۔'' (النور: ۵۱، ۵۲)

ایمان داروں کی شان تو یہ ہے کہ جب ان کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف بلایا جائے یعنی کوئی حکم دیا جائے تو سمعنا واطعنا کے سوا کچھ نہ کہیں بلکہ یہی کہیں کہ ہم حکم بردار ہیں۔

مومن بندے کا یہی شیوہ ہونا چاہئے کہ جب اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف بلایا جائے تو بلا چون و چرا حاضر ہو جائے یعنی فلاح و کامیابی کے مستحق صرف وہ لوگ ہوں گے جو اپنے تمام معاملات میں اللہ اور رسول اللہ ﷺ کے فیصلے کو خوش دلی سے قبول کرتے ہیں اور اسی کی اطاعت کرتے ہیں خشیتِ الٰہی اور تقویٰ جیسی صفات سے متصف ہوتے ہیں، یہی لوگ اہلِ ایمان ہیں۔

ابراہیم بن بشیر الحسینوی

بالوں کے احکام

ہمارے پیارے دین اسلام کا موضوع انسان ہے ۔مکمل اسلام انسان کی اصلاح کے لیے ہے مگر افسوس ! جس مسلمان نے پوری دنیا کو اسلامی تعلیمات کے ذریعے امن کا گہوارہ بنانا تھا وہ مسلمان اپنی اصلاح نہ کرسکا۔انسان کی اصلاح اُس وقت تک ممکن نہیں جب تک وہ اپنے جسم کے تمام اعضاء کو اسلامی احکامات کے تابع نہ کرلیں اور ایسا کرنا اُس وقت تک ممکن نہیں جب تک وہ (انسانی اعضاء کے احکام ومسائل) سے واقف نہ ہو جائے ۔اس موضوع پر ہم نے ایک مستقل کتاب لکھ رکھی ہے جس کی ایک فصل ہدیۂ قارئین پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں ۔**والحمدلله علٰی ذلک** انھی بہت سے مسائل میں سے ایک مسئلہ ''انسانی بالوں'' کا ہے ۔انسان کے مختلف اعضاء پر اُگے ہوئے بالوں کی مختلف قسمیں ہیں ہم نے اختصار کو مدنظر رکھتے ہوئے ہر عضو کے بالوں کے احکام جو درج ذیل ہیں، الگ الگ بیان کیا ہے ۔

1۔ سر کے بالوں کے احکام 2۔ ابرؤں (ابرواں) کے بالوں کے احکام

3۔ رخساروں کے بالوں کے احکام 4۔ داڑھی کے احکام 5۔ مونچھوں کے احکام

6۔ بغلوں کے بالوں کے احکام 7۔ زیرِ ناف بالوں کے احکام

8۔ (کانوں کے اندرونی) سینہ، کمر، بازوؤں، ٹانگوں، رانوں، ہاتھوں اور پاؤں پر اُگے ہوئے بالوں کے احکام

9۔ ناک میں اُگے ہوئے بالوں کے احکام 10۔ کنپٹی کے بالوں کے احکام

ا۔ سر کے بالوں کے احکام

یہ چار قسموں پر مشتمل ہیں:

1۔ مسلمان مرد کے بالوں کے احکام 2۔ نومسلم (New Muslim) کے بال

3۔ بچوں کے بال 4۔ مسلمان عورت کے بال

ا۔ مسلمان مرد کے بالوں کے احکام

مسلمان مرد کے بال پاک ہیں خواہ وہ زندہ ہو یا مرا ہوا، اس کے دلائل درج ذیل ہیں:

(ا) جب محمد بن سیرین نے عَبِیدہ سے کہا کہ ہمارے پاس رسول اللہ ﷺ کے بال ہیں جو ہمیں سیدنا انس رضی اللہ عنہ یا سیدنا انس رضی اللہ عنہ کے گھر والوں کی طرف سے پہنچے ہیں تو عبیدہ نے یہ (سن کر) فرمایا کہ **''لأن تكون عندي شعرة منه أحب إلي من الدنيا ومافيها''** میرے پاس اگر نبی ﷺ کا ایک بال (بھی) ہوتا تو یہ مجھے دنیا وما فیہا سے زیادہ محبوب تھا۔ (صحیح البخاری: ۱۷۰)

(۲) سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے جب رسول اللہ ﷺ نے اپنے بالوں کو منڈوایا تو سیدنا ابوطلحہ رضی اللہ عنہ وہ پہلے شخص تھے جنھوں نے آپ ﷺ کے بالوں کو لیا تھا۔ (صحیح البخاری:۱۷۱)

(۳) ان دونوں احادیث پر امام بخاری نے یہ باب باندھا ہے "**باب الماء الذي يغسل به شعر الإنسان**"

باب: اس پانی کے بارے میں جس میں انسان کے بالوں کو دھویا جاتا ہے۔ (کتاب الوضوء باب ۳۳)

حافظ ابن حجر ترجمۃ الباب کی توجیہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "**أن الشعر طاهر وإلا لماحفظوه ولا تمنى عبيدة أن يكون عنده شعرة واحدة منه ،وإذاكان طاهراًفالماء الذي يغسل به طاهر**" "یعنی بال پاک ہیں وگرنہ وہ (صحابۂ کرام) ان کی حفاظت نہ کرتے اور عبیدہ (تابعی) تمنا بھی نہ کرتے کہ ان کے پاس نبی ﷺ کا ایک بال ہوتا، جب بال پاک ہیں تو جس پانی میں بالوں کو دھویا گیا ہے وہ بھی پاک ہے۔" (فتح الباری ۱/۳۶۳)

حافظ ابن حجر مزید فرماتے ہیں: "جمہور علماء بھی بالوں کو پاک سمجھتے ہیں اور یہی ہمارے نزدیک صحیح ہے۔"

(فتح الباری ۱/۳۶۴)

[اُم المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس نبی ﷺ کے کچھ بال تھے جسے انھوں نے ایک چھوٹے پیالے میں رکھا ہوا تھا۔ یہ بال مہندی کی وجہ سے سرخ تھے۔ جب کسی شخص کو نظر لگ جاتی یا کوئی بیمار ہوتا تو وہ اپنا پانی کا برتن سیدہ اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیج دیتا۔ (آپ اس برتن کے پانی میں وہ بال ڈبو دیتیں) [صحیح البخاری:۵۸۹۶، فتح الباری ۱۰/۳۵۳]

معلوم ہوا کہ نبی ﷺ کے بالوں سے تبرک حاصل کرنا جائز ہے۔]

(۲) انسانی بالوں کی خرید وفروخت ناجائز ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے فرمان ﴿**وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ**﴾ اور ہم نے آدم (علیہ السلام) کی اولاد کو عزت دی (بنی اسرآئیل:۷۰) کے خلاف ہے۔

انسانی بالوں کی خرید وفروخت میں انسان کی تکریم نہیں رہتی بلکہ تذلیل ہے۔

(۳) بالوں کی تکریم کرنا ضروری ہے (دیکھئے سنن ابی داود:۴۱۶۳ وسندہ حسن، اسے ابن حجر نے فتح الباری ۱۰/۳۶۸ میں حسن کہا ہے۔)

بالوں کی تکریم میں درج ذیل چیزیں آتی ہیں:

(۱) پہلے دائیں طرف سے کنگھی کرنا اور یہ بہت زیادہ مستحب ہے۔

کنگھی کرنے کے آداب

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں ((**كان النبي ﷺ يعجبه التيمن في تنعله وترجله**)) نبی ﷺ جوتا پہننے میں اور کنگھی کرنے میں دائیں طرف کو پسند فرماتے۔ (صحیح بخاری:۵۹۲۶)

(۲) ایک دن چھوڑ کر کنگھی کی جائے۔

الحدیث: 27

ایک حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے روزانہ کنگھی کرنے سے منع فرمایا ہے۔(النسائی ۸/۱۳۲ ح ۵۰۶۱ وسندہ صحیح
)

فائدہ: حائضہ عورت اپنے خاوند کو کنگھی کر سکتی ہے۔امام بخاری نے باب قائم کیا ہے "**باب ترجيل الحائض زوجها**" (کتاب اللباس قبل ح:۵۹۲۵)

(۳) بالوں میں مانگ نکالنی چاہئے اور یہ مستحب ہے سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ "رسول اللہ ﷺ اپنے بالوں کو چھوڑا کرتے تھے اور مشرکین اپنے بالوں میں مانگ نکالتے تھے جبکہ اہل کتاب اپنے بالوں کو چھوڑا کرتے تھے۔جس کام میں آپ کو کوئی حکم نہیں دیا جاتا تھا تو آپ اس میں اہل کتاب کی موافقت پسند کرتے تھے پھر آپ ﷺ نے اس کے بعد مانگ نکالی۔" (صحیح البخاری:۳۵۵۸،صحیح مسلم:۲۳۳۶)

(۱) مانگ تالو سے نکالنی چاہئے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ "جب میں رسول اللہ ﷺ کے سر مبارک کے بالوں میں مانگ نکالتی "**صدعت الفرق من يافوخه وأرسل ناصيته بين عينيه**" تالو سے (بالوں کے دو حصے کرکے) مانگ چیرتی اور آپ ﷺ کی پیشانی کے بال دونوں آنکھوں کے درمیان چھوڑتی۔ (ابوداود:۴۱۸۹ وسندہ حسن)

تنبیہ: ٹیڑھی مانگ اور انگریزی حجامت سے ہر صورت میں بچنا ضروری ہے کیونکہ اس سے کفار سے مشابہت ہو جاتی ہے اور نبی ﷺ نے فرمایا ہے:((**من تشبه بقوم فهو منهم**)) جو شخص کسی قوم سے مشابہت اختیار کرے گا وہ انھی میں ہوگا۔ (ابوداود:۴۰۳۱ وسندہ حسن، والطحاوی فی مشکل الآثار ۱/۸۸)

(۲) بالوں میں تیل لگانا

رسول اللہ ﷺ جب اپنے بالوں میں تیل لگاتے تو پھر آپ کے جو چند سفید بال تھے نظر نہیں آتے تھے اور جب تیل نہ لگاتے تو یہ بال نظر آتے تھے۔ (صحیح مسلم:۲۳۴۴)

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ کبھی تیل لگانا چاہئے اور کبھی نہیں لگانا چاہئے۔

اگر ضرورت ہو تو دن میں دو دفعہ بھی بالوں میں تیل لگایا جا سکتا ہے۔سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بعض اوقات دن میں دو دفعہ تیل لگاتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۸/۳۹۲ ح ۲۵۵۴۹ وسندہ صحیح)

(۳) بالوں میں خوشبو لگانا

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ "**كنت أطيب رسول الله ﷺ بأطيب مايجد ...**" میں رسول اللہ ﷺ (کے بالوں) میں سب سے اچھی خوشبو لگاتی جو آپ کو دستیاب ہوتی۔ (صحیح البخاری:۵۹۲۳)

اس حدیث پر امام بخاری نے یہ باب باندھا ہے کہ "**باب الطيب في الرأس واللحية**" یعنی: "سر اور داڑھی میں

خوشبولگانے کاباب‘‘

فائدہ:

اگرکوئی شخص کسی کوخوشبودےتواسےواپس نہیں کرنی چاہئے بلکہ خوشبولے لینی چاہئے۔ (صحیح البخاری:۵۹۲۹)

(۴) بالوں کی چوٹی بنا کر یاانھیں گوندھ کرنماز نہیں پڑھنی چاہئے۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن حارث رضی اللہ عنہ کونماز پڑھتے ہوئے دیکھااوران کا سر پیچھے سے گوندھا ہوا تھا۔آپ کھڑے ہوئے اوراس کوکھول دیا۔جب عبداللہ بن حارث رضی اللہ عنہ نے نماز مکمل کرلی تو آپ کی طرف متوجہ ہوکر کہا: آپ کوکیا ہے میرے سر کے (بالوں کے) بارے میں؟ تو عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ بے شک میں نے رسول اللہ ﷺ کو(بالوں کو گوندھنے والے آدمی کے بارے میں) فرماتے ہوئے سنا،آپ نے فرمایا: ((إنمامثل هٰذا مثل الذي یصلي وهو مكتوف)) یہ تواس آدمی کی طرح لگ رہا ہے جسے باندھا گیا ہو۔‘‘(صحیح مسلم:۴۹۲)

[فائدہ:اس روایت کو مدِنظر رکھتے ہوئے بعض علماء نے ’’کف الثوب‘‘(کپڑا لپیٹنے) سے ممانعت والی حدیث (البخاری:۸۰۹،۸۱۰ومسلم:۴۹۰) سے یہ استدلال کیا ہے کہ آستینیں چڑھا کرنماز نہیں پڑھنی چاہئے کیونکہ اس سے ’’کف الثوب‘‘لازم آتا ہے۔]

(۵) بال درج ذیل طریقوں سے رکھنا جائز ہیں

(۱) نصف کانوں تک۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:’’**کان شعر رسول الله ﷺ إلی نصف أذنیه**‘‘ رسول اللہ ﷺ کے بال نصف کانوں تک تھے۔(صحیح مسلم:۲۳۳۸)

(۲) کندھوں سے اوپراورکانوں کی لَو سے نیچے تک

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں اوررسول اللہ ﷺ ایک برتن میں سے غسل کرلیا کرتے تھے۔’’**وکان له شعر فوق الجمة ودون الوفرة**‘‘ آپ ﷺ کے بال کندھوں کےاوپراورکانوں کی لوسے نیچے تھے۔ (ابوداود:۴۱۸۷وسندہ حسن)اس حدیث کے بارے میں امام ترمذی نےفرمایا:’’حسن صحیح غریب‘‘(۱۷۵۵)

(۳) کانوں کی لوکے برابر

سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا قد درمیانہ تھا، دونوں کندھوں کے درمیان فاصلہ تھا۔’’**عظیم الجمة إلٰی شحمة أذنیه**‘‘آپ ﷺ کے بال بہت لمبے تھے جوکانوں کی لوتک پڑتے تھے۔

(صحیح البخاری:۳۵۵۱،صحیح مسلم:۲۳۳۷واللفظ لہ)

(۶)بالوں کوکسی چیز سے چپکانا(بھی)صحیح ہے

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ "رأیت رسول اللہ ﷺ ملبداً" میں نے رسول اللہ ﷺ کے بالوں کو لیس دار چیز یا گوند سے چپکا ہوا دیکھا۔(صحیح البخاری:۵۹۱۴)اور یہ حج کا موقع تھا۔(صحیح البخاری:۵۹۱۵)

(۷)درج ذیل صورتوں میں سر کے تمام بال منڈوانا جائز ہے

1۔ جب کوئی کافر مسلمان ہو(تفصیل بعد میں آئے گی ان شاء اللہ)

2۔ جب بچہ پیدا ہو تو پیدائش کے ساتویں دن(تفصیل بعد میں آئے گی ان شاء اللہ)

3۔ بطور ضرورت۔

سیدنا عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا جعفر کی اولاد کو(ان کے شہید ہونے کے بعد) تین دن مہلت دی پھر آپ ﷺ ان کے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ آج کے بعد میرے بھائی(جعفر رضی اللہ عنہ)پر مت رونا۔پھر فرمایا کہ میرے بھتیجوں کو میرے پاس لے کر آؤ چنانچہ ہم سب آپ ﷺ کی خدمت میں لائے گئے اور اس وقت ہم چوزوں کی طرح(بہت کم سن) تھے۔اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا کہ "بال مونڈنے والے کو بلا کر میرے پاس لاؤ"(جب وہ آ گیا تو) آپ ﷺ نے اسے(ہمارے بال) مونڈنے کا حکم دیا اور اسی نے ہمارے سروں کو مونڈا۔"(ابوداود:۴۱۹۲وسندہ صحیح وصححہ النووی فی ریاض الصالحین:۱۶۴۲علیٰ شرط البخاری ومسلم،النسائی:۵۲۲۹)

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ "رسول اللہ ﷺ نے ایک بچے کو دیکھا جس کا آدھا سر مونڈا ہوا تھا اور آدھا نہیں مونڈا ہوا تھا،آپ ﷺ نے فرمایا:((احلقوہ کلہ أو اترکوہ کلہ)) اس کے سر کے سارے بالوں کو مونڈ دو یا سارے بال چھوڑ دو۔"(ابوداود:۴۱۹۵وسندہ صحیح)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ سر کے تمام بالوں کو بطور ضرورت مونڈنا صحیح ہے۔

[سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے مدینے میں قربانی کی اور اپنا سر مونڈا یعنی مونڈوایا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ۳/۲۳۷ح ۱۳۸۸۸وسندہ صحیح،طبعۃ دار الکتب العلمیۃ بیروت لبنان)

بہتر یہی ہے کہ حج اور عمرے کے علاوہ عام دنوں میں سر نہ منڈایا جائے لیکن اگر کوئی بیماری یا عذر ہو تو ہر وقت سر منڈوانا جائز ہے۔جو کام بچوں کے لئے جائز ہے وہ کام بڑوں کے لئے بھی جائز ہے اِلا یہ کہ کوئی صریح وخاص دلیل مردوں کو اس سے خارج کر دے۔خوارج کے ساتھ خشوعِ نماز،قراءتِ قرآن اور سر منڈانے میں مشابہت کا یہ مطلب غلط ہے کہ یہ افعال ناجائز ہیں۔]

(۸)حج اور عمرہ کے موقع پر

الحدیث:27

قرآن مجید میں ہے﴿لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِیْنَ ۙ مُحَلِّقِیْنَ رُءُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِیْنَ لَاتَخَافُوْنَ ؕ﴾ تم لوگ مسجد حرام میں ضرور داخل ہوگے ان شاءاللہ اس حال میں کہ تم سر منڈائے اور بال ترشوائے ہوگے کسی کا خوف نہ ہوگا۔'' (الفتح:۲۷)

حدیث میں ہے کہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے:''حلق رسول الله ﷺ في حجته " رسول اللہ ﷺ نے حج کے موقع پر اپنے سر کے بال منڈوائے (صحیح البخاری:۱۷۲۶)

تفصیل کے لیے دیکھئے صحیح البخاری (۱۷۲۶۔۱۷۳۰) جانور ذبح کرنے سے پہلے سر منڈوایا جائے تو بھی صحیح ہے (صحیح البخاری:۱۷۲۱) عمرہ کے بعد سر کے بال منڈوانا صحیح ہے۔(صحیح البخاری:۱۷۳۱) حج یا عمرہ میں بالوں کو کٹوانا بھی صحیح ہے۔(صحیح البخاری:۱۷۲۷،۱۷۳۱)

فائدہ(۱): مذکورہ صورتوں میں بالوں کا مونڈنا تو ثابت ہے لیکن یہ بھی یاد رہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تمام مونڈنے سے منع بھی نہیں فرمایا جس کام میں خاموشی ہو اس کا کرنا جائز ہے چنانچہ سر کے تمام بالوں کو مونڈنا جائز ہے مگر افضل وسنت یہی ہے کہ بال (وفرہ،جمہ،لمہ) رکھے جائیں کیونکہ احرام کھولنے کے علاوہ رسول اللہ ﷺ کے بالوں کی یہی کیفیت بیان ہوئی ہے (دیکھئے احکام ومسائل شیخ نور پوری ۱/۵۳۱)

فائدہ(۲): سر کے بال قینچی سے کٹوانا بھی جائز ہے۔

قرآن میں ہے کہ﴿ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِیْنَ ۙ مُحَلِّقِیْنَ رُءُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِیْنَ لَاتَخَافُوْنَ ؕ﴾ تم لوگ مسجد حرام میں ضرور داخل ہوگے ان شاءاللہ اس حال میں کہ تم سر منڈوائے اور بال ترشوائے ہوئے ہوگے کسی کا خوف نہیں ہوگا۔(الفتح:۲۷)

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:((اے اللہ رحمت کر سر منڈوانے والوں پر،صحابہ نے عرض کیا:اور بال ترشوانے والوں پر اے اللہ کے رسول ﷺ،آپ ﷺ نے فرمایا: اے اللہ رحمت کر سر منڈوانے والوں پر،صحابہ نے عرض کیا اور بال ترشوانے والوں پر،آپ ﷺ نے فرمایا:اور بال ترشوانے والوں پر))(صحیح بخاری:۱۷۲۷)

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کی ایک جماعت نے سر منڈوایا اور بعض صحابہ نے بال ترشوائے۔(صحیح بخاری:۱۷۲۹)

فائدہ(۳): کاٹے ہوئے بالوں کو دفن کرنا ضروری نہیں ہے۔حافظ ابن حجر نے صحیح بخاری کی (۵۹۳۸) حدیث سے یہ استدلال کیا ہے۔(فتح الباری ۱۰/۳۶۱)

[عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے کہ وہ بالوں (اور ناخنوں) کو (زمین میں) دفن کر دیتے تھے۔

(کتاب الترجل للخلال:١۴٦اوسندہ حسن،عبداللہ بن عمر العمری حسن الحدیث عن نافع وضعیف الحدیث عن غیرہ،ومحمد بن علی ھوحمدان بن علی بن عبداللہ بن جعفر: ثقة)

امام احمد بھی انھیں دفن کرنے کے قائل تھے۔(الترجل:١۴٦اوسندہ صحیح)

قاسم بن محمد بن ابی بکر اپنے بال منٰی میں دفن کرتے تھے۔(مصنف ابن ابی شیبہ ٨/١۴١٧ح ٢۵٦۵۴وسندہ صحیح)

معلوم ہوا کہ بالوں کو دفن کرنا جائز یا بہتر ہے اور اگر نہ کئے جائیں تو بھی جائز ہے۔]

اعتراض کا جواب: بعض کہتے ہیں کہ سر منڈانا منع ہے کیونکہ حدیث میں آتا ہے سر منڈانا خارجیوں کی علامت ہے۔حالانکہ اس کا مقصد یہ ہے کہ جو خارجی ہے وہ سر منڈاتا ہے یہ مقصود نہیں کہ جو سر منڈاتا ہے وہ خارجی ہے۔

(دیکھئے احکام ومسائل للشیخ نور پوری ١/۵٣١)

فائدہ(۴): دائیں طرف سے پہلے بالوں کو کٹوائیں۔تفصیلی بحث کے لیے دیکھیں فتح الباری (١٠/٣٦٤)

(٩) سفید بالوں کے احکام: اس کی درج ذیل صورتیں ہیں:

1۔ سفید بالوں کو اکھیڑنا 2۔ سفید بالوں کو رنگ کرنا

(١) سفید بالوں کو اکھیڑنا حرام ہے۔

عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی سند سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:((**لاتنتفوا الشیب فإنه نور المسلم**))إلخ سفید بالوں کو نہ اکھیڑو کیونکہ بڑھاپا (بالوں کا سفید ہونا) مسلمان کے لیے نور ہے جو شخص حالت اسلام میں بڑھاپے کی طرف قدم بڑھاتا ہے (جب کسی مسلمان کا ایک بال سفید ہوتا ہے) تو اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس کے لیے ایک نیکی لکھ دیتا ہے اور اس کا ایک گناہ مٹا دیتا ہے اور اس کا ایک درجہ بلند کر دیتا ہے۔"

(ابوداود:۴٢٠٢وسندہ حسن،ابن عجلان صرح بالسماع) امام ترمذی (٢٨٢١) نے اس حدیث کو حسن کہا ہے۔

(٢) سفید بالوں کو رنگنا۔

بالوں کو رنگنا خضاب کہلاتا ہے اور اس کی درج ذیل صورتیں اور قسمیں ہیں:

(١) رسول اللہ ﷺ نے سفید بالوں کو رنگنے کا حکم دیا ہے۔

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:((**غیروا الشیب ولا تشبهوا بالیهود**)) بڑھاپے (بالوں کی سفیدی) کو (خضاب کے ذریعے) بدل ڈالو اور (خضاب نہ لگانے میں) یہودیوں کی مشابہت نہ کرو۔(الترمذی:١٧۵٢وقال:"حسن صحیح وسندہ حسن)

ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: یہودی اور نصرانی (عیسائی) خضاب نہیں لگاتے لہٰذا تم ان کے خلاف کرو (تم خضاب لگاؤ)[صحیح البخاری:۵٨٩٩،صحیح مسلم:٢١٠٣]

(۲) مہندی کا خضاب (رنگ) لگانا یا مہندی میں کوئی چیز ملا کر سفید بالوں کو رنگین کرنا بھی جائز ہے۔

(۳) زرد خضاب لگانا بھی ٹھیک ہے۔

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ''رسول اللہ ﷺ دباغت دیئے ہوئے اور بغیر بال کے چمڑے کا جوتا پہنتے تھے اور اپنی ریش (داڑھی) مبارک پر آپ ورس (ایک گھاس جو یمن کے علاقے میں ہوتی تھی) اور زعفران کے ذریعے زرد رنگ لگاتے تھے۔'' (ابوداود: ۴۲۱۰ وسندہ حسن، النسائی: ۵۲۴۶)

احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے بعض دفعہ سرخ اور زرد خضاب لگایا ہے اور بعض دفعہ نہیں بھی لگایا۔ نیز دیکھئے فتح الباری (۳۵۴/۱۰)

شیخ نورپوری حفظہ اللہ لکھتے ہیں: ''احادیث میں رسول اللہ ﷺ کے بالوں کو رنگنے کا بھی ذکر ہے اور نہ رنگنے کا بھی جس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کا رنگنے سے تعلق امر ندب پر محمول ہے البتہ کل کے کل بال سفید ہو جائیں کوئی ایک بال بھی سیاہ نہ رہے تو پھر رنگنے کی مزید تاکید ہے۔'' (احکام ومسائل شیخ نورپوری ۵۳۱/۱)

(۴) سفید بالوں میں سیاہ خضاب (رنگ) لگانا درج ذیل دلائل کی روشنی میں حرام ہے:

1۔ سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فتح مکہ کے دن سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے والد ابو قحافہ رضی اللہ عنہ کو لایا گیا، ان کے سر اور داڑھی کے بال بالکل سفید تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''**غیر واھذا بشیئ واجتنبوا السواد**'' اس کا رنگ بدلو اور کالے رنگ سے بچو۔ (صحیح مسلم: ۵۵۰۹/۲۱۰۲)

2۔ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ایسی قومیں آخر زمانہ میں آئیں گی جو کبوتر کے پپوٹوں کی طرح کالے رنگ کا خضاب کریں گی وہ جنت کی خوشبو تک نہ پائیں گی۔''

(ابوداود: ۴۲۱۲ وسندہ صحیح، النسائی: ۵۰۷۸)

[اس کا راوی عبدالکریم الجزری (مشہور ثقہ) ہے۔ دیکھئے شرح السنہ للبغوی ۹۲/۱۲ ح ۳۱۸۰]

درج ذیل علماء نے بھی کالے خضاب کو دلائل کی روشنی میں حرام قرار دیا ہے:

1۔ امام نووی (شرح مسلم: ۱۹۹/۲)
2۔ حافظ ابن حجر (فتح الباری: ۵۷۶/۶)
3۔ ابوالحسن سندھی (حاشیہ ابن ماجہ: ۱۶۹/۴)
4۔ عبدالرحمٰن مبارکپوری (تحفۃ الاحوذی: ۵۷/۳)

تفصیل کے لیے دیکھیں (سیاہ خضاب کی شرعی حیثیت از امام بدیع الدین شاہ راشدی)

(۱۰) مصنوعی بال (وِگ) لگانا حرام ہے۔

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ((**لعن اللہ الواصلۃ والمستوصلۃ..**))

اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو بال جوڑنے اور جڑوانے والی پر۔ (صحیح البخاری: ۵۹۳۳)

امام بخاری رحمہ اللہ اس مسئلے میں بہت سی احادیث لائے ہیں تفصیل کے لیے دیکھیں۔

الحدیث: 27

(صحیح البخاری: ۵۹۳۲-۵۹۳۸ اور ۵۹۴۰-۵۹۴۳)

(۱۱) وضو میں سر کا مسح کرنا:

۱۔ سیدنا عبداللہ بن بن زید رضی اللہ عنہ نے مسنون وضو کا طریقہ خود عمل کر کے دکھلایا۔ اس میں آپ نے سر کا مسح اس طرح کیا کہ "دونوں ہاتھ سر کے اگلے حصہ سے شروع کر کے گدی تک پیچھے لے گئے پھر پیچھے سے آگے اسی جگہ لے آئے جہاں سے مسح شروع کیا تھا۔" (صحیح البخاری: ۱۸۵، صحیح مسلم: ۲۳۵)

۲۔ مکمل سر کا مسح کرنا چاہئے۔ قرآن مجید میں ہے ﴿وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ﴾ اور تم مسح کرو اپنے سروں کا۔ (المآئدۃ: ۶)

حمران مولیٰ عثمان (رحمہ اللہ) نے سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو وضو کرتے ہوئے دیکھا، حمران بیان فرماتے ہیں کہ "ثم مسح برأسه" پھر آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے سر کا مسح کیا۔ (صحیح البخاری: ۱۵۹)

اور سیدنا عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کی حدیث میں بھی یہی گزرا ہے۔

امام بخاری نے باب قائم کیا ہے: "باب مسح الرأس كله" مکمل سر کا مسح کرنا۔ (صحیح بخاری قبل ح: ۱۸۵)

۳۔ سر کا مسح ایک ہی دفعہ کرنا چاہئے (صحیح بخاری: ۱۸۶، صحیح مسلم: ۲۳۵)

صحیح بخاری: ۱۹۲ میں سر پر ایک مرتبہ مسح کرنے کا ذکر ہے اور اس حدیث پر باب باندھا ہے "باب مسح الرأس مرة" سر پر ایک مرتبہ مسح کرنا ہے۔

امام ابن قیم لکھتے ہیں کہ "والصحيح أنه لم يكرر مسح رأسه" صحیح بات یہ ہے کہ آپ ﷺ نے تکرار مسح الراس نہیں کیا۔ (ابن القیم) مزید لکھتے ہیں کہ "تکرار مسح کے بارے میں جو احادیث آتی ہیں اگر کوئی صحیح ہے تو وہ صریح نہیں ہے اور اگر صریح ہے تو وہ صحیح نہیں ہے" (زاد المعاد: ۱/۹۳)

تفصیلی بحث کے لیے دیکھیں عون المعبود (۱/۹۳ ط دار احیاء التراث) اور تحفۃ الاحوذی (۱/۴۴-۴۶)

صحیح مسلم (۱/۱۲۳) میں بھی سر پر ایک مرتبہ مسح کرنے کا ذکر ہے۔ امام ابوداود نے بھی سر پر ایک دفعہ مسح کرنے کو ترجیح دی ہے۔ (ابوداود: تحت ح: ۱۰۸) نیز دیکھئے سنن ترمذی (قبل ح: ۳۴)

۴۔ بعض لوگوں کا یہ کہنا کہ صرف چوتھائی سر کا مسح فرض ہے، یہ بالکل غلط بات ہے۔

۵۔ پگڑی پر مسح کرنا صحیح ہے۔

جعفر بن عمرو اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ اس نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو اپنے عمامہ مبارک پر مسح کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ (صحیح البخاری: ۲۰۵)

۶۔ پیشانی اور پگڑی دونوں پر بھی مسح کرنا صحیح ہے۔

الحدیث: 27

سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے وضو کیا، آپ نے اپنی پیشانی ،اپنی پگڑی اور اپنے موزوں پر مسح کیا۔" (صحیح مسلم: ۲۷۴)

۷۔سر کے مسح کے لیے نیا پانی لینا چاہئے۔

سیدنا عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ "مسح برأسه بماء غير فضل يده" آپ ﷺ نے اپنے سر مبارک کا مسح تازہ پانی لے کر کیا۔ (صحیح مسلم: ۱/۱۲۳ درسی ح: ۲۳۶)

۸۔سر کے مسح کے لیے نیا پانی نہ لینا اور صرف ہاتھوں پر موجود تری سے مسح کرنا بھی صحیح ہے۔

مشہور تابعی عروہ بن الزبیر رحمہ اللہ (وضو کے دوران میں) ہاتھوں پر بچے ہوئے پانی سے مسح کرتے تھے۔ (ابن ابی شیبہ ۱/۲۱ ح ۲۱۲ وسندہ صحیح)

تنبیہ: بہتر یہی ہے کہ سر اور کانوں کے مسح کے لئے تازہ پانی لیا جائے۔

(۹) غسل جنابت سے وضو میں سر کا مسح کرنے کے بجائے پانی سر پر ڈالنا چاہئے۔

ا۔سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے غسل کا ارادہ فرمایا...... ((ثم أفاض علىٰ رأسه الماء)) پھر آپ ﷺ نے اپنے سر پر پانی ڈالا۔ (صحیح البخاری: ۲۷۴)

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بے شک عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے غسل جنابت کے متعلق سوال کیا ......((حتىٰ إذا بلغ رأسه لم يمسح وأفرغ عليه الماء)) جب آپ وضو کرتے ہوئے سر تک پہنچے تو آپ نے سر کا مسح نہیں کیا بلکہ سر پر پانی ڈالا۔ (سنن النسائی: ۴۲۲ وسندہ صحیح غریب) اس حدیث پر امام نسائی نے یہ باب باندھا ہے "باب ترك مسح الرأس في الوضوء من الجنابة" جنابت کے وضو میں سر کے مسح کو ترک کرنا (۱/۲۰۵ قبل ح ۴۲۲)

۲۔سر پر تین بار پانی ڈالنا چاہئے۔

سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ "وغسل رأسه ثلاثاً" آپ ﷺ نے اپنے سر کو تین بار دھویا۔ (صحیح البخاری: ۲۶۵)

سیدنا جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "میں اپنے سر پر تین بار پانی ڈالتا ہوں" (صحیح البخاری: ۲۵۴) امام بخاری نے یہ باب باندھا ہے کہ "جس آدمی نے اپنے سر پر تین مرتبہ پانی ڈالا" اس کے تحت اور بھی احادیث لائے ہیں۔

۳۔سر پر پہلے دائیں طرف پانی ڈالیں پھر بائیں طرف۔ (صحیح البخاری: ۲۵۸)

(۱۳) غسل جنابت کے وضو میں سر کا مسح کرنا بھی صحیح ہے۔

الحدیث:27

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ''بے شک نبی ﷺ جب غسل جنابت کرتے پہلے آپ اپنے ہاتھوں کو دھوتے'' ''ثم توضأ کما یتوضأ للصلوٰۃ'' پھر آپ وضو کرتے جس طرح نماز کے لیے وضو کرتے۔(صحیح البخاری:۲۴۸)

جب ہم نماز کا وضو کرتے ہیں تو اس میں سر کا مسح کرتے ہیں۔

[۲:نومسلم(New Muslim) کے بال

نومسلم کے سر کے بالوں کے بھی وہی احکام ہیں جو عام مسلم کے احکام ہیں۔

تنبیہ: سنن ابی داود (۳۵۶) مستدرک الحاکم (۳/۵۷۰ ح ۶۴۲۸) اور المعجم الکبیر للطبرانی (۱۴/۱۹ ح ۲۰) کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ کافر مسلمان ہونے کے بعد سر کے بال منڈوائے گا۔ یہ ساری روایات ضعیف ومردود ہیں اور انھیں حسن قرار دینا غلط ہے۔]

بچوں کے بالوں کے احکام

(۱) جب بچہ سات دن کا ہو جائے تو ساتویں دن بچے کے سر کے بال منڈانے چاہئیں۔

(منتقیٰ ابن الجارود:۹۱۰ وسندہ حسن، روایۃ الحسن عن سمرۃ کتاب والاحتجاج بالکتاب صحیح والحمدللہ)

(۲) جو بال ساتویں دن اتارے جائیں تو ان کے برابر وزن کر کے چاندی صدقہ کی جائے۔

(السنن الکبریٰ للبیہقی ۹/۳۰۴ وسندہ حسن)

(۳) بالوں کو تھوڑا سا چھوڑ کر باقی منڈوا دینا منع ہے۔

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ:''نهى رسول الله ﷺ عن القزع''رسول اللہ ﷺ نے قزع سے منع فرمایا۔(صحیح البخاری:۵۹۲۰،صحیح مسلم:۲۱۲۰)

قزع کی چار قسمیں ہیں:

1۔ سر کے بال سارے نہ مونڈنا بلکہ جگہ جگہ سے پھٹے ہوئے بادلوں کے طرح ٹکڑیوں میں مونڈنا۔

2۔ درمیان سے سر کے بال مونڈنا اور اطراف میں بال چھوڑ دینا۔

3۔ اطراف مونڈنا اور درمیان سے سر کے بال چھوڑ دینا۔

4۔ آگے سے بال مونڈنا اور پیچھے سے چھوڑ دینا۔

علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''عدل وانصاف قائم کرنے کے لیے اللہ اور اس کے رسول کی کمال محبت وشفقت ہے۔انسانی جسم میں بھی عدل کا خیال رکھا کہ سر کا بعض حصہ مونڈ کر اور بعض حصہ ترک کر کے سر کے ساتھ بے انصافی نہ کی جائے۔بالوں سے

کچھ حصہ سر کا ننگا کر دیا جائے اور کچھ حصہ ڈھانک دیا جائے یہ ظلم کی ایک قسم ہے۔'' (تحفۃ المودود باحکام المولود ص ٦٩)

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ایک بچے کو دیکھا کہ اس کے سر کا کچھ حصہ منڈا ہوا تھا اور بعض چھوڑا ہوا تھا آپ ﷺ نے ان کو ایسا کرنے سے روکا اور فرمایا: ((**احلقوه كله أو اتركوه كله**)) تم اس کا سارا سر مونڈ دو یا سارا سر چھوڑ دو۔ (ابوداود: ٤١٩٥ وسندہ صحیح) اس حکم میں جوان اور بڑے مرد بھی شامل ہیں اور صرف بچوں کی تخصیص کی کوئی دلیل نہیں ہے۔

۴: مسلمان عورت کے سر کے بال

(۱) عورت اپنے سر کے بال نہیں کٹوا سکتی کیونکہ اس سے مردوں کی مشابہت لازم آتی ہے، لہٰذا منع ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((**لعن الله المشتبهين من الرجال بالنساء والمشتبهات من النساء بالرجال**)) اللہ لعنت کرے ان مردوں پر جو عورتوں سے مشابہت اختیار کرتے ہیں اور (اللہ لعنت کرے) ان عورتوں پر جو مردوں سے مشابہت اختیار کرتی ہیں۔ (صحیح البخاری: ٥٨٨٥)

آج کی جدت پسند عورت ہر کام میں اپنے آپ سے مردوں کو حقیر سمجھتی ہے۔ اللہ نے عورت کو جو مقام دیا ہے وہ اس سے زیادہ کی اُمنگ لیے ہوئے ہے اسی لیے وہ ذلیل بنتی جارہی ہے۔ یاد رہے عورت کی عزت اور مقام اسی میں ہے کہ وہ مردوں کی مشابہت بالکل اختیار نہ کرے۔

اللہ کی لعنت کی مستحق ہے وہ عورت جو اپنے مردوں کی مشابہت اختیار کرنے کے لیے سر کے بالوں کو کٹواتی ہے۔

(۲) حج اور عمرہ کے موقع پر جب عورت احرام کھولے تو سر کے بالوں کو (آخر سے تقریباً ایک انچ تک) کتروانا چاہئے۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ((**ليس على النساء الحلق إنما على النساء التقصير**)) (حج یا عمرہ سے احرام کھولنے کے بعد) عورتوں پر سر منڈوانا نہیں بلکہ بال کتروانا ہے۔'' (ابوداود ١٩٨٥، الدارمی: ١٩١١ وسندہ حسن، وحسنہ ابن حجر فی التلخیص الحبیر ٢/٢٦١)

(۳) عورت کا اپنے سر کے بال منڈوانا حرام ہے۔ دلیل کے لئے دیکھئے فقرہ سابقہ: ٢

(۴) عورت مجبوری (شدید بیماری) کی حالت میں اپنے سر کے بال منڈوا بھی سکتی ہے۔

(۵) فوت شدہ عورت کے بالوں کو تین حصوں میں گوندکر پیچھے ڈال دینا چاہئے۔

سیدہ ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی ایک بیٹی وفات پا گئیں ......''ہم نے (غسل دینے کے بعد) اس کے بال تین حصوں میں گوندکر پیچھے ڈال دیئے۔'' (صحیح البخاری: ١٢٦٣)

(۶) جنبی عورت کا غسل جنابت میں اپنے سر کے بالوں کو کھولنا ضروری نہیں بلکہ اسی طرح اپنے سر پر تین چلو پانی

ڈالے۔(صحیح مسلم: ۳۳۰)

(۷) اگر عورت نے حیض (ماہواری کا خون) یا نفاس (وہ خون جو بچے کی پیدائش کے بعد چالیس دن تک جاری رہتا ہے) کے ختم ہونے پر غسل کرنا ہے تو پھر سر کے بالوں کا کھولنا ضروری ہے۔(صحیح البخاری: ۳۱۷)

فائدہ: نفاس اور حیض کا ایک ہی حکم ہے دیکھیں صحیح البخاری (۲۹۸)

(۸) حیض (یا نفاس) سے نہاتے وقت بالوں میں کنگھی کرنی چاہئے۔ (صحیح البخاری: ۳۱۶)

(۹) نماز پڑھتے وقت بالغ عورت اپنے سر کے بالوں کو چادر سے ڈھانپ کر نماز پڑھے ورنہ نماز نہیں ہوتی۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ((**لا یقبل اللہ صلاۃ حائض إلا بخمار**)) جس عورت کو حیض آتا ہے (جو بالغہ ہے) اللہ تعالیٰ اس کی نماز دوپٹہ کے بغیر قبول نہیں کرتا۔

(ابوداود: ۶۴۱، الترمذی: ۳۷۷، ابن ماجہ ۶۵۵ المعجم لابن الاعرابی ۲/۳۲۵، ۳۲۶ ح ۱۹۹۶ وھو حدیث صحیح)

تنبیہ: اگر سر پر اتنا باریک کپڑا ہے جس سے سر کے بال نظر آرہے ہیں تو اس میں بھی نماز صحیح نہیں ہوگی کیونکہ عورت کو سر ڈھانپ کر نماز پڑھنے کا حکم ہے۔

(۱۰) عورت کے لیے حرام ہے کہ وہ اپنے بال غیر محرموں کے سامنے کھلے چھوڑے کیونکہ غیر محرم سے عورت کا پردہ کرنا فرض ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿**یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِکَ وَبَنٰتِکَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِیْنَ یُدْنِیْنَ عَلَیْھِنَّ مِنْ جَلَابِیْبِھِنَّ ؕ ذٰلِکَ اَدْنٰٓی اَنْ یُّعْرَفْنَ فَلَا یُؤْذَیْنَ ؕ وَکَانَ اللّٰہُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا**﴾ اے نبی! اپنی بیویوں، اپنی بیٹیوں اور مومنوں کی عورتوں سے کہہ دیجیے کہ وہ اپنی چادروں کے پلو اپنے اوپر لٹکا لیا کریں۔ اس طرح زیادہ توقع ہے کہ وہ پہچان لی جائیں اور انھیں ستایا نہ جائے اور اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا، رحم کرنے والا ہے۔(الاحزاب: ۵۹)

امام ابن سیرین نے ﴿**یُدْنِیْنَ عَلَیْھِنَّ مِنْ جَلَابِیْبِھِنَّ**﴾ کی تفسیر کے متعلق عبیدہ السلمانی سے سوال کیا تو انھوں نے اپنا چہرہ اور سر ڈھانپ لیا اور اپنی بائیں آنکھ ظاہر کی۔(تفسیر ابن جریر ۲۲/۳۳ وسندہ صحیح، من طریق ابن عون عن محمد بن سیرین بہ)

یہ بات کبھی نہ بھولیں کہ اگر انگریز کافر عورت کی طرح پردہ کو مسلمان عورت نے بھی دور کر دیا تو کل قیامت کے دن انھی کافر عورتوں کی صف میں کھڑی ہوگی۔

(۱۱) درج ذیل مسئلوں میں عورت کے سر کے بالوں کے احکام مرد کی طرح ہیں مثلاً:

(۱) بال پاک ہیں (۲) بالوں کی خرید و فروخت کرنا ناجائز ہے (۳) بالوں کو کنگھی کرنا (۴) کنگھی دائیں سے شروع کرنا (۵) مانگ تالو سے نکالنا (۶) بالوں میں تیل لگانا (۷) بالوں کو گوند کر یا چوٹی بنا کر نماز نہ پڑھنا (۸) بالوں کو کسی

چیز سے چپکانا (۹) سفید بالوں کو اکھیڑنا حرام ہے (۱۰) سفید بالوں کو کالے رنگ کے علاوہ مہندی یا زرد رنگ یا کسی اور رنگ سے رنگنا (۱۱) مصنوعی بال (وِگ) لگانا حرام ہے (۱۲) وضو میں سر کا مسح کرنا (۱۳) غسل جنابت کے وضو میں سر کا مسح کرنے کے بجائے تین چلو ڈالنا ۔ یا مسح کرنا

مذکورہ تمام احکام کی تفصیل (مسلمان مرد کے بالوں کے احکام) میں گزر چکی ہے۔

۲: ابرؤوں (ابرواں) کے بالوں کے احکام (یہ احکام عورت کے ساتھ خاص ہیں)

ابرؤوں کے بال اتارنا یا باریک کرنا حرام ہیں۔

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''گودنے والی اور خوبصورتی کے لئے ابرؤوں کے بال اتارنے والی (یا باریک کرنے والی) دانتوں کو جدا کرنے والی عورتوں پر اللہ کی لعنت ہو جو اللہ کی خلقت کو بدلتی ہیں یہ حدیث بنی اسد کی ایک عورت کو پہنچی اس کی کنیت ام یعقوب تھی وہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس آئی اور کہنے لگی: مجھ کو یہ خبر پہنچی ہے کہ تم نے ایسی ایسی عورت پر لعنت کی ہے؟ انھوں نے کہا: بے شک میں تو ضرور اس پر لعنت کروں گا جس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت کی ہے اور اللہ کی کتاب میں اُس پر لعنت آئی ہے۔ وہ عورت کہنے لگی: میں نے تو سارا قرآن جو دو تختیوں کے درمیان ہے پڑھا ہے اس میں تو کہیں ان عورتوں پر لعنت نہیں آئی ہے۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اگر تو قرآن کو (غور و فکر اور سمجھ کر) پڑھتی تو ضرور یہ مسئلہ پا لیتی کیا قرآن میں تو نے یہ نہیں پڑھا کہ پیغمبر جس بات کا تم کو حکم دے اس پر عمل کرو اور جس بات سے منع کرے اس سے باز رہو؟ اس نے کہا: جی ہاں یہ آیت تو قرآن میں ہے۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان باتوں سے منع کیا ہے۔ وہ عورت کہنے لگی: تمھاری بیوی بھی تو یہ کرتی ہے، انھوں نے کہا: جا دیکھ جب وہ گئی وہاں کوئی بات نہ پائی۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا اگر میری بیوی ایسے کام کرتی تو بھلا وہ میرے ساتھ رہ سکتی تھی۔'' (صحیح البخاری: ۴۸۸۶)

اللہ تعالیٰ ہماری مسلمان ماؤں اور بہنوں کو اس لعنت کے مستحق عمل سے محفوظ فرمائے۔

فائدہ (۱): چہرے کے بالوں کو نوچنا خوبصورتی کے لیے حرام ہے۔

یہ عورتوں کے ساتھ خاص ہے۔ دلیل (ابرؤوں کے بالوں کے احکام میں گزر چکی ہے)

فائدہ (۲): عورت کا اپنے چہرے کے غیر عادی بالوں (داڑھی یا مونچھیں) کو زائل کرنا درست ہے۔

حافظ ابن حجر نے امام نووی کا قول نقل کیا ہے کہ ''چہرے سے بال نوچنے سے داڑھی، مونچھیں یا بچہ داڑھی مستثنیٰ ہیں عورت کا انھیں زائل کرنا حرام نہیں بلکہ مستحب ہے''۔ پھر حافظ ابن حجر نے کہا کہ ''اس قول کو مقید کہا جائے گا کہ وہ عورت اپنے خاوند سے اجازت لے کہ میں اپنی داڑھی یا مونچھیں یا بچہ داڑھی زائل کرلوں یا اسے اس کا علم ہونا چاہئے ورنہ خاوند کو دھوکا رہتا ہے۔'' (فتح الباری ۴۶۲/۱۰)

الحدیث: 27

شیخ محمد بن الصالح العثیمین لکھتے ہیں: ''ایسے بال جو جسم کے ان حصوں میں اُگ آئیں جہاں عادتاً بال نہیں اُگتے مثلاً عورت کی مونچھیں اُگ آئیں یا رخساروں پر آجائیں تو ایسے بالوں کے اتارنے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ وہ خلافِ عادت اور چہرے کے لیے بدنمائی کا باعث ہیں۔'' (فتاویٰ برائے خواتین: ص۳۴۲-۳۴۳)

۳: رخساروں کے بالوں کے احکام (یہ مردوں کے ساتھ خاص ہیں)

اللحیۃ (داڑھی) کی تعریف لغت میں ہے کہ ''دونوں رخساروں اور ٹھوڑی کے بال'' (القاموس الوحید ص۱۴۶۲)

فائدہ: بچہ داڑھی بھی داڑھی میں شامل ہے۔

''عنفقہ'' (نچلے ہونٹ اور تھوڑی کے درمیان کے بال) بھی داڑھی میں شامل ہے جو اسے خارج سمجھتے ہیں یہ ان کی غلطی ہے کیونکہ جو بال نیچے کے چپاڑے پر ہیں ان کے داڑھی میں داخل ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔

(فتاویٰ اہل حدیث ۱/۲۷۳ بحوالہ فتاویٰ ثنائیہ مدنیہ ۱/۵۷)

فائدہ: گھنڈی اور گردن کے بال داڑھی میں شامل نہیں، ان کو لینا جائز ہے (فتاویٰ ثنائیہ مدنیہ: ۱/۷۸۴)

۴: داڑھی کے احکام

(۱) داڑھی رکھنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ((**عشر من الفطرة قص الشارب واعفاء اللحية**)) دس خصلتیں فطرت میں سے ہیں جن میں سے مونچھیں تراشنا اور داڑھی بڑھانا بھی ہے۔ (صحیح مسلم: ۲۶۱)

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ((**خالفوا المشركين وفروا اللحى واعفوا الشوارب**)) مشرکوں کی مخالفت کرو داڑھیوں کو بڑھاؤ اور مونچھوں کو پست کرو۔

(صحیح البخاری: ۵۸۹۲، صحیح مسلم: ۲۵۹)

صحیح بخاری (۵۸۹۳) میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ ((**انهكوا الشوارب واعفوا اللحى**)) داڑھیوں کو بڑھاؤ اور مونچھوں کو اچھی طرح کاٹو۔

سیدنا ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نے کہا: اے اللہ کے رسول (ﷺ) اہل کتاب داڑھیوں کو کاٹتے ہیں اور مونچھوں کو چھوڑ دیتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کہ تم مونچھیں کاٹو اور داڑھیاں بڑھاؤ اور اہل کتاب کی مخالفت کرو۔ (مسند احمد: ۵/۲۶۴ وسندہ حسن، حسنہ ابن حجر فتح الباری ۱۰/۳۵۴)

معلوم ہوا کہ داڑھی رکھنا ہر مسلمان پر فرض ہے اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق دے۔

حافظ عبدالمنان نورپوری حفظہ اللہ فرماتے ہیں کہ ''کچھ لوگوں نے یہ مسئلہ بنایا ہے کہ داڑھی رکھنا سنت ہے، فرض نہیں۔ عام لوگوں کا یہ ذہن ہے اس کو سنت سمجھتے ہیں۔ یہ نظریہ بھی غلط ہے۔ داڑھی رکھنا بڑھانا سنت نہیں بلکہ فرض ہے، واجب ہے

اور داڑھی کٹانا فرض اور واجب کی خلاف ورزی ہے، نافرمانی ہے، حرام ہے اور گناہ ہے۔'' (مقالات نور پوری: ص ۲۷۸)

(۲) ''مٹھی سے زائد داڑھی کاٹنا بالکل غلط ہے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی جو روایت پیش کی جاتی ہے وہ ان کا اپنا عمل ہے اور ان کا عمل دین میں دلیل نہیں بنتا۔ صحابی کا اپنا قول اور اپنا عمل دلیل نہیں بنتا صحابی رضی اللہ عنہ اگر نبی کریم ﷺ کا قول وعمل اور نبی ﷺ کی تصویب تقریر بیان کریں تو وہ دلیل ہے صحابی کا اپنا عمل اور قول دلیل نہیں جب یہ دلیل نہیں تو اس سے گنجائش کیسے ملی؟ اللہ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے: ﴿اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ۗ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ﴾ جو کچھ رب تعالیٰ کی طرف سے نازل کیا گیا ہے اس کا اتباع کرو اور اس کے علاوہ اولیاء کا اتباع نہ کرو تم بہت ہی تھوڑی نصیحت حاصل کرتے ہو۔ (الاعراف: ۳)

نصیحت حاصل کرو ﴿مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ﴾ یہ حجت ہے یہ دلیل ہے قرآن مجید ہوا اور نبی کریم ﷺ کی سنت اور حدیث ہو یہ دلیل ہیں موقوفات اور بزرگوں کے اقوال یہ دین میں دلیل نہیں بنتے۔''

(مقالات نور پوری: ص ۲۶۴، ۲۶۷)

[تنبیہ: جن احادیث میں داڑھیاں چھوڑنے، معاف کرنے اور بڑھانے کا حکم دیا گیا ہے، ان کے راویوں میں سے ایک راوی سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ہیں۔ دیکھئے صحیح البخاری (۵۸۹۲، ۵۸۹۳) وصحیح مسلم (۲۵۹)

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے یہ ثابت ہے کہ وہ حج اور عمرے کے وقت اپنی داڑھی کا کچھ حصہ (ایک مشت سے زیادہ کو) کاٹ دیتے تھے۔ دیکھئے صحیح البخاری (۵۸۹۲) وسنن ابی داود (۲۳۵۷) وسندہ حسن وحسنہ الدارقطنی ۱۸۲/۲ وصححہ الحاکم ۴۲۲/۱ ووافقہ الذہبی)

کسی صحابی سے سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ پر اس سلسلے میں انکار ثابت نہیں ہے۔ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ جیسے متبع سنت صحابی، نبی ﷺ سے ایک حدیث سنیں اور پھر خود ہی اس کی مخالفت بھی کریں۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما ایک آیت کی تشریح میں فرماتے ہیں: ''والأخذ من الشارب والأظفار واللحية'' مونچھوں، ناخنوں اور داڑھی میں سے کاٹنا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ۸۵/۴ ح ۱۵۶۶۸ وسندہ صحیح تفسیر ابن جریر ۱۰۹/۱۷ وسندہ صحیح)

محمد بن کعب القرظی (تابعی، ثقہ عالم) بھی حج میں داڑھی سے کچھ کاٹنے کے قائل تھے۔ (تفسیر ابن جریر ۱۰۹/۱۷ وسندہ حسن)

ابن جریج بھی اس کے قائل تھے۔ (تفسیر طبری ۱۱۰/۱۷ وسندہ صحیح)

ابراہیم (نخعی) رخساروں کے بال کاٹتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۳۷۵/۸ ح ۲۵۴۷۳ وسندہ صحیح)

قاسم بن محمد بن ابی بکر بھی جب سر منڈاتے تو اپنی مونچھوں اور داڑھی کے بال کاٹتے تھے۔

(ابن ابی شیبہ: ح ۲۵۴۷۶ وسندہ صحیح)

الحدیث: 27

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ ایک مشت سے زیادہ داڑھی کو کاٹ دیتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ۸/۵۷۳ ح ۲۵۴۷۹ وسندہ حسن)

اس کے راوی عمرو بن ایوب کو ابن حبان نے کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے (۷/۲۲۴، ۲۲۵) اور اس سے شعبہ بن الحجاج نے روایت لی ہے۔ شعبہ کے بارے میں یہ عمومی قاعدہ ہے کہ وہ (عام طور پر) اپنے نزدیک ثقہ راوی سے ہی روایت کرتے تھے۔ دیکھئے تہذیب التہذیب (۱/۴، ۵) اس عمومی قاعدے سے صرف وہی راوی مستثنیٰ ہوگا جس کے بارے میں صراحت ثابت ہو جائے یا جمہور محدثین نے اسے ضعیف قرار دیا ہو۔

ان دو توثیقات کی وجہ سے عمرو بن ایوب حسن درجے کا راوی قرار پاتا ہے۔

طاوس (تابعی) بھی داڑھی میں سے کاٹنے کے قائل تھے۔ (الترجل للخلال: ۹۶ وسندہ صحیح، ہارون ھو ابن یوسف بن ہارون بن زیاد الشطوی) امام احمد بن حنبل بھی اسی جواز کے قائل تھے۔ (کتاب الترجل: ۹۲)

ان آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک مشت سے زیادہ داڑھی کاٹنا اور رخساروں کے بال لینا جائز ہے تاہم بہتر یہ ہے کہ داڑھی کو بالکل قینچی نہ لگائی جائے۔ واللہ اعلم

مسئلہ یہ نہیں ہے کہ صحابی کا عمل دلیل ہے یا نہیں؟ بلکہ مسئلہ یہ ہے کہ قرآن و حدیث کا کون سا فہم معتبر ہے۔ وہ فہم جو چودھویں پندرھویں صدی ہجری کا ایک عالم پیش کر رہا ہے یا وہ فہم یا جو صحابہ، تابعین و تبع تابعین اور محدثین کرام سے ثابت ہے۔؟!

ہم تو وہی فہم مانتے ہیں جو صحابہ، تابعین، تبع تابعین و محدثین اور قابلِ اعتماد علمائے امت سے ثابت ہے۔ ہمارے علم کے مطابق کسی ایک صحابی، تابعی، تبع تابعی، محدث یا معتبر عالم نے ایک مٹھی سے زیادہ داڑھی کو کاٹنا حرام یا ناجائز نہیں قرار دیا۔ حافظ عبداللہ روپڑی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''خلاصہ یہ ہے ہم تو ایک ہی بات جانتے ہیں وہ یہ کہ سلف کا خلاف جائز نہیں کیونکہ وہ لغت اور اصطلاحات سے غافل نہ تھے...'' (فتاویٰ اہل حدیث ج ۱ ص ۱۱۱) / ز ع]

(۳) سفید داڑھی کو رنگنا بھی چاہئے۔ سیدنا ابو رمثہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ''میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا آپ نے اپنے سر کے بالوں کو مہندی لگائی ہوئی تھی۔'' (مسند احمد ۴/۱۶۳ ح ۱۷۴۹۸ وسندہ صحیح)

۵: مونچھوں کے احکام

(۱) مونچھوں کو ترشوانا چاہئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ((عشر من الفطرة قص الشارب ...)) دس خصلتیں فطرت میں سے ہیں (جن میں) مونچھیں تراشنا بھی ہیں۔ (صحیح مسلم: ۲۶۱)

۲: مونچھوں کو ترشوانے میں چالیس دن سے تاخیر نہ کرے۔

الحدیث: 27

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: ''**وقت لنا فی قص الشارب وتقلیم الأظفار ونتف الإبط وحلق العانة أن لا نترک أکثر من أربعین لیلة**'' ہمارے لیے وقت مقرر کیا گیا کہ ہم مونچھوں کو ترشوانا، ناخنوں کو اتارنا، بغلوں کے بال نوچنا اور زیر ناف بال مونڈھنے کو چالیس دنوں سے زیادہ تاخیر نہ کریں۔ (صحیح مسلم: ۱/۱۲۹ ح ۲۵۸)

ساری مونچھوں (یا بعض مونچھوں) کو قینچی سے کاٹنا صحیح احادیث سے ثابت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((**من لم یأخذ من شاربه فلیس منا**)) جو شخص مونچھوں میں سے نہ لے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

(السنن الکبریٰ للنسائی: ۹۲۹۳ وسندہ صحیح)

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما مونچھیں اتنی کاٹتے کہ ان کی (سفید) جلد نظر آتی تھی۔ (صحیح البخاری قبل ح: ۵۸۸۸ تعلیقاً، رواہ الاثرم کما فی تغلیق التعلیق ۵/۷۲ وسندہ حسن، الطحاوی فی معانی الآثار ۴/۲۳۱ وسندہ صحیح)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بعض اوقات اپنی مونچھوں کو تاؤ دیتے تھے۔ (دیکھئے کتاب العلل ومعرفۃ الرجال للامام احمد ۱/۲۶۱ ح ۱۵۰۷ وسندہ صحیح) امام مالک کی بھی باریک سروں والی لمبی مونچھیں تھیں۔ (حوالہ مذکورہ: ۱۵۰۷ وسندہ صحیح)

رسول اللہ ﷺ نے سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی لمبی مونچھوں کو مسواک سے کاٹا (یا کٹوایا) تھا۔

(دیکھئے سنن ابی داود: ۱۸۸ وسندہ صحیح)

امام سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ نے (ایک دفعہ) اپنی مونچھوں کو اُسترے سے منڈوایا تھا۔ دیکھئے التاریخ الکبیر لابن ابی خیثمہ (ص ۱۲۰ ح ۳۱۱ وسندہ صحیح) معلوم ہوا کہ مونچھیں کاٹنا اور منڈانا دونوں طرح جائز ہیں تاہم بہتر یہی ہے کہ مونچھیں استرے کے بجائے قینچی سے کاٹی جائیں۔

۶: بغلوں کے بالوں کے احکام

(۱) بغلوں کے بالوں کو نوچنا بھی فطرت سے ہے۔ (صحیح مسلم: ۲۶۱)

جو شخص بغلوں کے بال اکھاڑنے پر قادر نہ ہو تو وہ انھیں مونڈ سکتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے ﴿ **فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ** ﴾ اللہ سے ڈرو جتنی طاقت رکھتے ہو۔ (التغابن: ۱۶) نیز دیکھئے کتاب الترجل (ص ۱۵۰) والمجموع (۱/۲۸۸)

(۲) بغلوں کے بالوں کو نوچنے میں چالیس دن سے تاخیر نہ کرے۔ (صحیح مسلم: ۱/۱۲۹ ح ۲۵۸)

فائدہ: مونچھوں کو کٹوانا افضل ہے اور منڈوانا بھی جائز ہے تفصیل کے لیے دیکھیں (زاد المعاد: ۱/۱۷۸-۱۸۲)

۷: زیر ناف بالوں کے احکام

(۱) زیر ناف بالوں کو مونڈنا فطرت سے ہے (صحیح مسلم: ۲۶)

(۳) زیر ناف بالوں کو مونڈھنے میں چالیس دن سے تاخیر نہ کرے (صحیح مسلم: ۱/۱۲۹ ح ۲۵۸)

فائدہ: فوت شدہ کے زیرناف بالوں کومونڈھنا بھی درست ہے اور نہ مونڈھنا بھی دونوں طرح کے آثار سلف صالحین سے مروی ہیں (مصنف ابن ابی شیبہ ح:۱۰۹۴۵، ۱۰۹۵۴، ۱۰۹۴۷، الاوسط:۵/۳۲۸، ۳۲۹ مسائل احمد لابی داود:ص ۱۴۱) لیکن بہتر یہی ہے کہ یہ بال نہ مونڈے جائیں۔

۸: (کانوں کے اندرونی) سینہ، کمر، بازوؤں، پشت، ٹانگوں، رانوں، ہاتھوں اور پاؤں پر اُگے ہوئے بالوں کے احکام

جسم پر اُگے ہوئے بالوں کی بعض اقسام کے احکام قرآن وحدیث نے بیان کر دیئے ہیں اور بعض کے نہیں بیان کئے یعنی ان سے خاموشی اختیار کی ہے جس چیز سے شریعت نے خاموشی اختیار کی ہو (اور دوسرے قرائن سے اس کی نفی بھی نہ ہو رہی ہو تو) اس کا کرنا جائز ہوتا ہے معلوم ہوا کہ سینہ، کمر اور بازوؤں کے بال کاٹنا اور مونڈنا جائز ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب

۹: ناک میں اُگے ہوئے بالوں کو اکھیڑنا

اس کے متعلق بھی شریعت خاموش ہے ان کا اکھیڑنا بھی جائز ہے۔

نوٹ: اللہ تعالیٰ نے کسی چیز کو فضول نہیں بنایا ناک میں اُگے ہوئے بالوں اور اس سے پہلی قسم کے بالوں کے اگانے میں اللہ تعالیٰ کی بڑی حکمتیں ہیں جو شاید ہم پر (علم نہ ہونے کی وجہ سے) مخفی ہیں لہٰذا ان کو اپنی حالت میں چھوڑنا ہی بہتر ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

۱۰: کنپٹی کے بالوں کے احکام

1۔ نبی ﷺ کی کنپٹی کے چند بال سفید تھے۔ (صحیح البخاری: ۳۵۵۰ وصحیح مسلم: ۲۳۴۱)

2۔ جس روایت میں آیا ہے کہ نبی ﷺ نے وضو میں کنپٹیوں کا مسح کیا تھا۔ (سنن ابی داود: ۱۲۹ وسنن الترمذی: ۳۴) اس کی سند عبداللہ بن محمد بن عقیل (ضعیف) کی وجہ سے ضعیف ہے۔

اعلان

بعض کتابیں میری مراجعت اور دستخطوں کے بغیر شائع ہوئی ہیں لہٰذا ان کتابوں کے اندر غلطیوں اور اَوہام کا میں ذمہ دار نہیں ہوں۔ میری صرف وہی کتاب معتبر ہے جسے مکتبہ الحدیث حضرو اور مکتبہ اسلامیہ لاہور/فیصل آباد سے شائع کیا گیا ہے یا پھر کتاب کے آخری پروف کی مراجعت کے بعد، اُس کے آخر میں میرے دستخط اور مُہر مع تاریخ موجود ہیں۔ والحمد للہ (۱۹ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۷ھ ۱۵ جون ۲۰۰۶ء)

حافظ زبیر علی زئی مکتبہ الحدیث حضرو۔ ضلع اٹک

حافظ زبیر علی زئی

موضوع اور من گھڑت کتابیں

جس طرح جدید دور میں بعض کذابین نے ''الجزء المفقود من مصنف عبدالرزاق'' کے نام سے ایک کتاب گھڑ لی ہے اسی طرح پہلے اَدوار میں بھی بہت سے کذابین و متروکین نے مختلف اجزاء اور کتابیں گھڑی ہیں جنھیں محدثینِ کرام نے علمی و تحقیقی میزان میں پرکھ کر موضوع، باطل اور مردود قرار دیا ہے۔ ان من گھڑت کتابوں میں سے بعض کتابوں اور ان کے گھڑنے والوں کا ذکر درج ذیل ہے:

1 ۔ الاربعون الودعانیہ [اسے زید بن رفاعہ الہاشمی اور ابن ودعان نے گھڑا ہے، دیکھئے ذیل اللآلی المصنوعہ للسیوطی ص۲۰۲]

2۔ نسخہ ابی ہدبہ عن انس [اس کا راوی ابراہیم بن ہدبہ کذاب ہے۔ دیکھئے میزان الاعتدال ۷۱/۱]

3۔ نسخہ نبیط بن شریط [اسے احمد بن اسحاق بن ابراہیم بن نبیط بن شریط نے گھڑا ہے، دیکھئے میزان الاعتدال ۷۱/۱، ۷۲]

4۔ نسخہ اباء بن جعفر [اس کا راوی اباء بن جعفر کذاب ہے/ میزان الاعتدال ۷۱/۱]

5۔ مسند الربیع بن حبیب [اس کے بہت سے راویوں میں سے ربیع بن حبیب مجہول ہے، نیز دیکھئے کتب حذر منہا العلماء ج۲ ص۲۹۵۔۲۹۷] یہ ساری مسند موضوع ہے۔

6۔ مسند زید بن علی [اس کا راوی عمرو بن خالد الواسطی کذاب ہے]

7۔ نہج البلاغہ [بے سند کتاب ہے۔ شریف رضی اس کے ساتھ متہم ہے یعنی اس نے اسے گھڑا ہے۔]

8۔ تعبیر الرؤیا المنسوب الیٰ ابن سیرین [یہ بے سند و بے ثبوت کتاب ہے]

9۔ تنویر المقباس/تفسیر ابن عباس [یہ ساری تفسیر موضوع ہے دیکھئے ماہنامہ الحدیث: ۲۴ ص۴۹ تا ۶۱]

10۔ المجالسۃ وجواہر العلم [اس کا راوی احمد بن مروان بن محمد الدینوری بقولِ دارقطنی: کذاب ہے دیکھئے لسان المیزان ۳۰۹/۱، اس کے بارے میں مسلمہ بن قاسم ضعیف مشبہ کا قول مردود ہے۔]

اسی طرح اور بھی بہت سی کتابیں موضوع اور من گھڑت ہیں جن سے بعض جاہل اور بدعتی حضرات استدلال کرتے رہتے ہیں۔ تفصیل کے لئے دیکھئے الشیخ الصالح ابوعبیدہ مشہور بن حسن آل سلمان کی کتاب ''کتب حذر منہا العلماء'' میزان الاعتدال، لسان المیزان اور ماہنامہ ''الحدیث'' شمارہ: ۵ (۲۱ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۷ھ)

وما علینا إلا البلاغ

حافظ شیر محمد

سیدنا حسین رضی اللہ عنہ سے محبت (۲)

مظلومِ کربلا کی شہادت کا المیہ:

سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا تو (دیکھا) آپ کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے ہیں۔ میں نے کہا: اے اللہ کے نبی! کیا کسی نے آپ کو ناراض کر دیا ہے؟ آپ کی آنکھوں سے آنسو کیوں بہہ رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا: بلکہ میرے پاس سے ابھی جبریل (علیہ السلام) اُٹھ کر گئے ہیں، انھوں نے مجھے بتایا کہ حسین کو فرات کے کنارے قتل (شہید) کیا جائے گا۔ (مسند احمد ۱/۸۵ ح ۶۴۸ وسندہ حسن، عبداللہ بن نجی وابوہ صدوقان وثقھما الجمھور ولا ینزل حدیثھما عن درجۃ الحسن، انظر نیل المقصود فی تحقیق سنن ابی داود: ۲۲۷)

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے ایک دن دوپہر کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا، آپ کے بال بکھرے ہوئے اور گرد آلود تھے، آپ کے ہاتھ میں خون کی ایک بوتل تھی۔ میں نے پوچھا: میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، یہ کیا ہے؟

آپ نے فرمایا: یہ حسین (رضی اللہ عنہ) اور اُن کے ساتھیوں کا خون ہے، میں اسے صبح سے اکٹھا کر رہا ہوں۔

(مسند احمد ۱/۲۴۲ وسندہ حسن، دیکھئے ماہنامہ الحدیث حضرو: ۱۰ ص ۱۴ تا ۱۶، اور شمارہ: ۲۰ ص ۱۸ تا ۲۳)

اس سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت پر سخت غمگین تھے۔

ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حسین بن علی (رضی اللہ عنہ) موجود تھے اور آپ رو رہے تھے۔ آپ نے فرمایا: مجھے جبریل (علیہ السلام) نے بتایا کہ میری امت اسے میرے بعد قتل کرے گی۔

(مشیخۃ ابراہیم بن طہمان: ۳ وسندہ حسن ومن طریق ابن طہمان رواہ ابن عساکر فی تاریخ دمشق ۱۴/۱۹۲، ولہ طریق آخر عند الحاکم ۴/۳۹۸ ح ۸۲۰۲ وصححہ علیٰ شرط الشیخین ووافقہ الذہبی)

شہر بن حوشب (صدوق حسن الحدیث، وثقہ الجمہور) سے روایت ہے کہ جب (سیدنا) حسین بن علی (رضی اللہ عنہما) کی شہادت کی خبر عراق سے آئی تو ام سلمہ (رضی اللہ عنہا) نے فرمایا: عراقیوں پر لعنت ہو، عراقیوں نے آپ کو قتل کیا ہے، اللہ انھیں قتل کرے۔ انھوں نے آپ سے دھوکا کیا اور آپ کو ذلیل کیا، اللہ انھیں ذلیل کرے۔

(فضائل الصحابۃ، زوائد القطیعی ۲/۷۸۲ ح ۱۳۹۲ وسندہ حسن، ومسند احمد ۶/۲۹۸ ح ۲۶۵۵۰ وسندہ حسن)

ہلال بن اساف (ثقہ تابعی) سے روایت ہے کہ (سیدنا) حسین (رضی اللہ عنہ) شام کی طرف یزید (بن معاویہ بن ابی سفیان) کی طرف جا رہے تھے، کربلا کے مقام پر انھیں عمر بن سعد، شمر بن ذی الجوشن اور حصین بن نمیر وغیرہم کے لشکر ملے۔

(امام) حسین نے فرمایا: مجھے یزید کے پاس جانے دو تا کہ میں اس کے ہاتھ میں ہاتھ دے دوں (بیعت کرلوں) انھوں نے کہا: نہیں، ابن زیاد کے فیصلے پر اپنے آپ کو ہمارے حوالے کردو۔

(کتاب جمل من انساب الاشراف للبلاذری ۳/۱۷۳ و سندہ صحیح)

سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو جب شہید کیا گیا تو آپ کا سر مبارک عبیداللہ بن زیاد (ابن مرجانہ، ظالم مبغوض) کے سامنے لایا گیا تو وہ ہاتھ کی چھڑی کے ساتھ آپ کے سر کو کُرید نے لگا۔ یہ دیکھ کر سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

حسین (رضی اللہ عنہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے زیادہ مشابہ تھے۔ (دیکھئے صحیح بخاری: ۳۷۴۸)

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے کسی (عراقی) نے مچھر (یا مکھی) کے (حالتِ احرام میں) خون کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا: اسے دیکھو، یہ (عراقی) مچھر کے خون کے بارے میں پوچھ رہا ہے اور انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹے (نواسے) کو قتل (شہید) کیا ہے۔ (صحیح بخاری: ۵۹۹۴، ۳۷۵۳)

سعد بن عبیدہ (ثقہ تابعی) بیان کرتے ہیں کہ میں نے (سیدنا) حسین (رضی اللہ عنہ) کو دیکھا، آپ ایک کپڑے (برود) کا جُبہ (چوغہ) پہنے ہوتے تھے۔ عمرو بن خالد الطہوی نامی ایک شخص نے آپ کو تیر مارا جو آپ کے چوغے سے لٹک رہا تھا۔

(تاریخ دمشق لابن عساکر ۱۴/۲۱۴ و سندہ صحیح)

شہر بن حوشب سے روایت ہے کہ میں نبی کی زوجہ اُم سلمہ (رضی اللہ عنہا) کے پاس موجود تھا۔ میں نے (سیدنا) حسین (رضی اللہ عنہ) کی شہادت کی خبر سنی تو اُم سلمہ کو بتایا۔ (کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے ہیں)

انھوں نے فرمایا: ان لوگوں نے یہ کام کر دیا ہے، اللہ ان کے گھروں یا قبروں کو آگ سے بھر دے۔ اور وہ (غم کی شدت سے) بے ہوش ہو گئیں۔ (تاریخ دمشق ۱۴/۲۲۹ و سند حسن)

سیدہ اُم المومنین اُم سلمہ رضی اللہ عنہا (توفیت سنۃ ۶۲ھ) نے فرمایا: میں نے جنوں کو (امام) حسین (رضی اللہ عنہ کی شہادت) پر روتے ہوئے سُنا ہے۔ (المعجم الکبیر للطبرانی ۳/۱۲۱ ح ۲۸۶۲، ۳/۱۲۲ ح ۲۸۶۷، فضائل الصحابہ لاحمد ۲/۷۷۶ ح ۱۳۷۳ و سندہ حسن)

سیدنا حسین رضی اللہ عنہ (۱۰) محرم (عاشوراء کے دن) اکسٹھ (۶۱) ہجری میں شہید ہوئے۔ (دیکھئے تاریخ دمشق لابن عساکر ۱۴/۲۳۷ وھو قول اکثر اہل التاریخ)

یہ ہفتے (سبت) کا دن تھا۔ (تاریخ ابی زرعہ الدمشقی: ۲۴۳ بسند صحیح عن ابی نعیم الفضل بن دکین الکوفی رحمہ اللہ) بعض کہتے ہیں کہ سوموار کا دن تھا۔ (دیکھئے تاریخ دمشق ۱۴/۲۳۶)

بہت سے کفار اپنے کفر کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کو بُرا کہتے رہتے ہیں مگر رب رحیم انھیں دنیا میں مہلت دیتا رہتا ہے مگر جسے وہ پکڑ لے تو اسے چھڑانے والا کوئی نہیں۔

مشہور جلیل القدر ثقہ تابعی ابو رجاء عمران بن ملحان العطاردی رحمہ اللہ نے جاہلیت کا زمانہ پایا ہے مگر صحابیت کا شرف

حاصل نہ ہوسکا۔ وہ ایک سوبیس (۱۲۰) سال کی عمر میں، ایک سو پانچ (۱۰۵ھ) میں فوت ہوئے۔

ابو رجاء العطاردی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

علی اور اہلِ بیت کو بُرا نہ کہو، ہمارے بلہجیم کے ایک پڑوسی نے (سیدنا) حسین رضی اللہ عنہ کو بُرا کہا تو اللہ تعالیٰ نے اسے اندھا کردیا۔ (المعجم الکبیر للطبرانی ۱۱۲/۳ ح ۲۸۳۰ ملخصاً وسندہ صحیح)

سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بارے میں بہت سی ضعیف ومردود اور عجیب وغریب روایات مروی ہیں جنھیں میں نے جان بوجھ کر یہاں ذکر نہیں کیا۔ دین کا دارومدار صحیح وثابت روایات پر ہے، ضعیف ومردود روایات پر نہیں۔

صد افسوس ہے ان لوگوں پر جو غیر ثابت اور مردود تاریخی روایات پر اپنے عقائد اور عمل کی بنیاد رکھتے ہیں بلکہ ببانگ دہل ان مردود روایات کو "مسلّم تاریخی حقائق" کے طور پر متعارف کرانے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں۔

تابعیِ صغیر ابراہیم بن یزید النخعی نے فرمایا:

اگر میں ان لوگوں میں ہوتا جنھوں نے حسین بن علی (رضی اللہ عنہ) کو قتل (شہید) کیا تھا، پھر میری مغفرت کردی جاتی، پھر میں جنت میں داخل ہوتا تو میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گزرنے سے شرم کرتا کہ کہیں آپ میری طرف دیکھ نہ لیں۔

(المعجم الکبیر للطبرانی ۱۱۲/۳ ح ۲۸۲۹ وسندہ حسن)

آخر میں ان لوگوں پر لعنت ہے جنھوں نے سیدنا ومحبوبنا وامامنا الحسین بن علی رضی اللہ عنہما کو شہید کیا یا شہید کرایا یا اس کے لئے کسی قسم کی معاونت کی۔ اے اللہ! ہمارے دلوں کو سیدنا الامام المظلوم الشہید حسین بن علی، تمام اہلِ بیت اور تمام صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کی محبت سے بھردے۔ آمین

سیدنا علی، سیدنا حسین اور اہلِ بیت سے نواصب حضرات بُغض رکھتے ہیں جبکہ شیعہ حضرات ان کے دعویِ محبت میں صحابۂ کرام سے بُغض رکھتے ہیں، اہلِ بیت کی محبت میں غلو کرتے اور ضروریاتِ دین کا انکار کرتے ہیں۔ یہ دونوں فریق افراط وتفریط والے راستوں پر گامزن ہیں۔ اہلِ سنت کا راستہ اعتدال اور انصاف والا راستہ ہے۔ والحمدللہ

اہلِ سنت کے ایک جلیل القدر امام ابو جعفر محمد بن جریر بن یزید الطبری رحمہ اللہ نے شہادتِ حسین وغیرہ تاریخی واقعات کو ابو مخنف وغیرہ کذابین ومتروکین کی سند سے اپنی تاریخ طبری میں نقل کر رکھا ہے۔ یہ واقعات وتفاصیل موضوع اور من گھڑت وغیرہ ہونے کی وجہ سے مردود ہیں لیکن امام طبری رحمہ اللہ بری ہیں کیونکہ انھوں نے سندیں بیان کردی ہیں۔

صحیح بخاری وصحیح مسلم کے علاوہ حدیث کی ہر کتاب سے صرف وہی روایت پیش کرنی چاہئے جس کی سند اصولِ حدیث اور اسماء الرجال کی روشنی میں صحیح لذاتہ یا حسن لذاتہ ہو ورنہ پھر خاموشی ہی بہتر ہے۔ صحیح بخاری وصحیح مسلم کی مُسنَد متصل مرفوع تمام احادیث صحیح ہیں۔ وما علینا إلا البلاغ

حاصلِ مطالعہ   مولانا ارشاد الحق اثری

مولانا محمد فاخر الٰہ آبادی

آپ شیخ محمد حیات سندھی رحمہ اللہ کے ارشد تلامذہ میں شمار ہوتے ہیں۔۱۱۲۰ھ میں ہندوستان کے صوبہ یوپی کے شہر الٰہ آباد میں پیدا ہوئے۔آغازِ عمر ہی میں اپنے والد مکرم شیخ محمد یحییٰ اور برادر اکبر شیخ محمد طاہر سے علم حاصل کیا۔ والدِ گرامی کی وفات کے بعد ان کے جانشین ہوئے اور ان کی مسند تدریس کو زینت بخشی ۱۱۴۹ھ میں عازمِ حرمین شریفین ہوئے۔وہاں مدینہ طیبہ میں علامہ محمد حیات سندھی سے شرفِ تلمذ حاصل کیا۔سید غلام علی آزاد بلگرامی بھی آپ کے ہم سبق تھے۔جگری دوست تھے۔تمام مؤرخین ان کی عظمت پر متفق ہیں۔سید عبدالحئی لکھتے ہیں:

واتفق الناس على الثناء عليه والمدح لشمائله وصار مشاراً إليه في هٰذاالباب وكان لا يتقيد بمذهب ولا يقلد في شيء من أمور دينية بل كان يعمل بنصوص الكتاب والسنة ويجتهد برأيه وهو أهل لذلک.

کہ تمام لوگ ان کی تعریف پر متفق اور ان کے حسن کردار کے معترف تھے۔اس باب میں ان کی شخصیت مرجع کی حیثیت رکھتی تھی۔وہ کسی ایک فقہی مذہب کے پابند نہ تھے (وہ کسی دینی مسئلے میں تقلید نہیں کرتے تھے۔) بلکہ کتاب وسنت کی نصوص پر عمل کرتے اور خود اجتہاد کرتے تھے اور وہ اس (اجتہاد) کی پوری صلاحیت رکھتے تھے۔ (نزھۃ الخواطر ج۶ ص۲۴۱) ....

شیخ محمد فاخر رحمہ اللہ نے فارسی اشعار میں اپنے مسلک کا اظہار یوں فرمایا ہے:

ما اہل حدیثیم دغا را نہ شناسیم — صد شکر کہ در مذہب ما حیلہ وفن نیست

زائر از کشکول اہل رائے نتواں لقمہ خورد — بر سر خوان رسول اللہ مہمانیم ما

از احادیث رسول آوردہ ام اسرار دیں — نیست غیر از گوہر شہوار در دکان ما

[① ہم اہل حدیث ہیں، دھوکا فریب نہیں جانتے۔صد شکر ہے کہ ہمارے مذہب میں حیلہ اور فنکاری نہیں ہے۔ ② اے زائر اہلِ رائے کی کشکول سے لقمہ نہیں کھانا چاہئے، ہم رسول اللہ (ﷺ) کے دسترخوان کے مہمان ہیں۔③ ہم رسول کی حدیثوں سے دین کے مسائل لائے ہیں، ہمارے پاس قیمتی موتیوں کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔]

ان کی تصانیف ''نور السنۃ'' اور ''قرۃ العینین در اثبات سنیت رفع الیدین'' میں سنت کے مطابق نماز ادا کرنے کا جو طریقہ بتلایا گیا ہے وہ وہی ہے جس پر اہلحدیث عمل پیرا ہیں۔دونوں رسالے منظوم ہیں اور زیورِ طبع سے آراستہ ہو چکے ہیں۔بہر حال...... زائر مرحوم المتوفی ۱۱۶۴ھ بارہویں صدی ہجری میں ایک جلیل القدر عالم محدث اور فقیہ گزرے ہیں جو تقلید کے بجائے اتباع سنت اور عمل بالحدیث کے داعی تھے۔اور غالباً یہ تمام تر اثر تھا علامہ محمد حیات سندھی رحمہ اللہ کی تربیت کا۔[پاک و ہند میں علمائے اہل حدیث کی خدماتِ حدیث ص۲۲،۲۳ ببعض التصرف]